شبلی

ظفر احمد صدّیقی

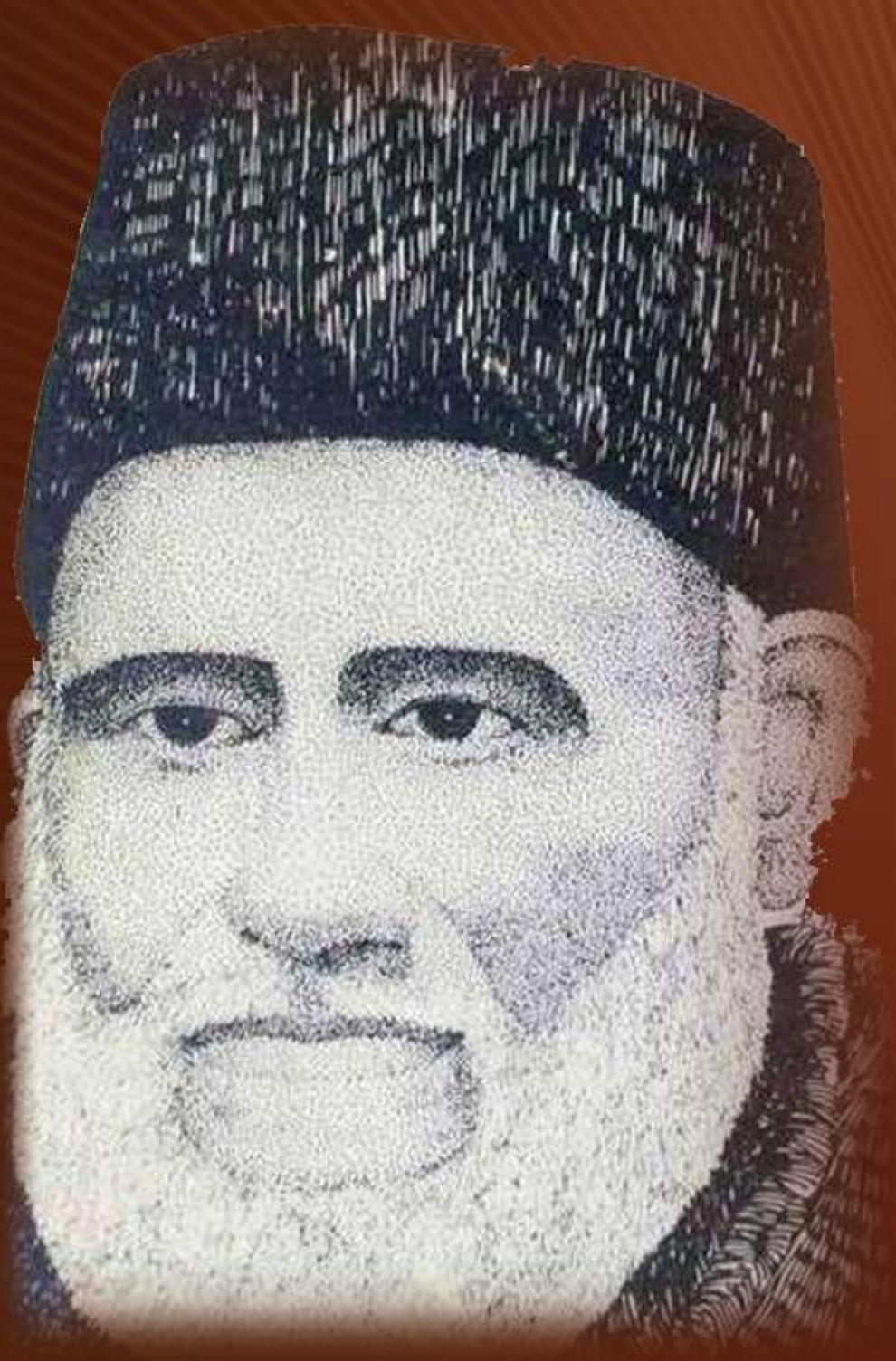

ہندستانی
ادب کے
معمار

www.taemeernews.com

شبلی

www.taemeernews.com

ہندستانی ادب کے معمار

شبلی

ظفر احمد صدّیقی

ساہتیہ اکادمی

www.taemeernews.com

Shibli : A monograph by Zafar Ahmed Siddiqi on the Urdu author. Sahitya Akademi, New Delhi (1988), Rs. 5.

© ساہتیہ اکادمی

پہلا اڈیشن : ۱۹۸۸ء

ساہتیہ اکادمی

ہیڈ آفس :

رویندر بھون، ۳۵ - فیروز شاہ روڈ - نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

علاقائی دفاتر :

بلاک ۷ - بی، رویندر سرووراسٹیڈیم - کلکتہ ۷۰۰۰۲۹

۱۷۲، ممبئی مراٹھی گرنتھ سنگھرالیہ مارگ، دادر، بمبئی ۴۰۰۰۱۴

۲۹، ایلڈامس روڈ، تینام پیٹھ، مدراس ۶۰۰۰۱۸

قیمت : پانچ روپے

مطبع : وِمل آفسیٹ پنچشیل گارڈن نوین شاہدرہ دہلی ۳۲

www.taemeernews.com

ترتیب

۱ــــــ حالاتِ زندگی ۹

خاندان اور ابتدائی زندگی ۹
تعلیم ۱۰
رام پور اور لاہور کا سفر ۱۱
کشمکش کا دور ۱۲
روشن مستقبل کی امید ۱۴
علی گڑھ کالج کی ملازمت ۱۴
علی گڑھ کے قیام کی برکتیں ۱۵
تصویر کا دوسرا رُخ ۱۶
روم و شام و مصر کی سیاحت ۱۷
تحریک ندوۃ العلما سے وابستگی ۱۹
ریاست حیدرآباد کا وظیفہ ۲۰
حیدرآباد کی ملازمت ۲۰
ندوۃ العلما کی معتمدی ۲۱
وفات ۲۲

www.taemeernews.com

۲ ـــــ شخصیت اور کردار ۲۴

۳ ـــــ حُلیہ اور لباس ۳۰

۴ ـــــ عادات و خصائل ۳۲

شب و روز کا نظام ۳۲

سادگی و نفاست ۳۳

عزتِ نفس اور خودداری ۳۳

زود حسی و انتہا پسندی ۳۴

طنز و ظرافت ۳۶

شعر و سخن اور موسیقی کا ذوق ۳۷

علم کا شوق اور مطالعے کی وسعت ۳۹

زورِ بیان اور قوتِ استدلال ۴۰

۵ ـــــ کارنامے ۴۲

تاریخ نگاری ۴۲

مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم ۴۴

الجزیہ ۴۶

کتب خانۂ اسکندریہ ۴۷

سوانح نگاری ۴۸

www.taemeernews.com

المامون	۴۹
سیرۃ النعمان	۵۰
الفاروق	۵۲
الغزالی	۵۳
سوانح مولانا روم	۵۴
سیرت نگاری	۵۴
سیرۃ النبیؐ	۵۵
علم کلام	۵۶
علم الکلام	۵۷
الکلام	۵۹
ادبی وتنقیدی تصانیف	۶۰
موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ	۶۱
شعرالعجم	۶۳
تنقید نگاری	۶۷
انشا پردازی	۷۰
شاعری	۷۵
اردو کلام	۷۷
فارسی کلام	۸۳
خطوط	۸۷
سفرنامہ	۹۱
خطبات اور تقریریں	۹۲

www.taemeernews.com

مقالات	
انجمن ترقیِ اردو	۹۴
اختتام	۹۵
مزید مطالعے کے لیے	۹۶
	۹۹

www.taemeernews.com

حالاتِ زندگی

خاندان اور ابتدائی زندگی

اعظم گڈھ مشرقی یوپی میں ایک مشہور ضلع ہے۔ یہاں کے قصبات اور مواضع قدیم زمانے سے نہایت مردم خیز رہے ہیں۔ اعظم گڈھ کے مضافات میں ایک گانو 'بندول' بھی ہے۔ اردو کے نامور ادیب، ناقد اور شاعر علامہ شبلی نعمانی اسی گانو کے باشندے تھے۔ شاہانِ شرقی کے زمانے میں یہاں کے ایک فرد شیوراج سنگھ نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ شبلی انھیں کی نسل سے تھے۔

شبلی کی تاریخ ولادت یکم جون ۱۸۵۷ء ہے۔ ان کے والد کا نام شیخ حبیب اللہ تھا۔ شیخ صاحب اپنے خاندان میں سب سے معزز، ممتاز اور خوش حال شخص تھے۔ زمینداری، نیل کی تجارت اور وکالت ان کا ذریعۂ معاش تھی۔ فارسی شعروسخن کا بھی اچھا مذاق رکھتے تھے۔

شبلی اپنے باپ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ فطری طور پر ان کا بچپن نازونعمت میں بسر ہوا۔ ذہانت کے آثار ان میں بچپن ہی سے موجود تھے۔ ایک بار کا واقعہ ہے، چاندنی رات تھی۔ صحن میں لیٹے ہوئے تھے، لوگ انھیں اٹھاکر اندر لے جانا چاہتے تھے۔ یہ جاگتے نہ تھے اتنے میں کسی نے کہا اٹھو اٹھو پانی آرہا ہے۔ انھوں نے مسکراکر کہا۔ واہ! چاند تو نکلا ہوا ہے۔ پانی کیسے برسے گا؟

www.taemeernews.com

تعلیم

شبلی کی والدہ ایک دین دار اور مذہبی خاتون تھیں۔ ان کے والد بھی مذہبی آدمی تھے۔ اس لیے شبلی کی تعلیم بھی قدیم انداز پر شروع ہوئی۔ حرف شناسی کے بعد قرآن پاک ختم کیا، پھر فارسی کی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد عربی کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے گانو 'بندول' سے نکل کر جون پور اور غازی پور کے بعض مدرسوں میں پڑھیں۔ ۱۸۷۳ء کے آس پاس شبلی کے والد اور بعض دیگر معززینِ شہر نے اعظم گڈھ میں ایک عربی مدرسے کی بنیاد ڈالی اور مشہور عالم مولانا فاروق چریاکوٹی کو اس کا صدر مدرس مقرر کیا۔ اسی وقت سے شبلی کی تعلیم بھی اسی مدرسے میں ہونے لگی۔ انھوں نے عربی تعلیم کے تمام بنیادی مراحل اسی مدرسے میں مولانا چریاکوٹی کی نگرانی میں طے کیے۔

مولانا فاروق چریاکوٹی ترے مدرس ہی نہ تھے، شاعری اور موسیقی کے رمز آشنا بھی تھے۔ انھوں نے جہاں شبلی کو درسیات کی تعلیم دی، وہیں ان میں شاعری اور موسیقی کا ذوق بھی پیدا کیا۔ اکثر انھیں رات کے پچھلے پہر اٹھا دیتے اور پوچھتے بھیرویں سنوگے؟ پھر گاکر بتاتے۔

علم کا ذوق اور مطالعہ کا شوق شبلی میں بچپن ہی سے موجود تھا۔ زمانۂ طالب علمی میں فرصت کے وقت اکثر شہر کے ایک کتب فروش کی دکان پر جا بیٹھتے کتابیں الٹ پلٹ کر دیکھتے رہتے۔ خاص طور پر شعرا کے دواوین کا مطالعہ کرتے اور اچھی نظموں اور اچھے اشعار سے محظوظ ہوتے۔

www.taemeernews.com

رام پور اور لاہور کا سفر

مولانا فاروق چریاکوٹی کی نگرانی میں شبلی درسیات کی تکمیل کر چکے تھے۔ ان کے والد کی خواہش تھی کہ اب وہ کاروبارِ دنیا میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔ لیکن شبلی علمی مشاغل سے کنارہ کش نہیں ہونا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ہندوستان کی بعض مشہور شخصیتوں کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے مزید استفادہ کریں۔ مائیں بچوں پر باپ کی نسبت زیادہ مہربان ہوتی ہیں۔ شبلی کی والدہ نے بھی انھیں افسردہ دیکھ کر ان کی ہمت افزائی کی اور وہ گھر سے نکل پڑے۔ لکھنؤ ہوتے ہوئے رام پور پہنچے۔ یہاں مولانا ارشاد حسین رام پوری کا بڑا شہرہ تھا۔ وہ اسلامی فقہ کے ماہرین میں شمار کیے جاتے تھے۔ شبلی نے ان کی خدمت میں رہ کر سال بھر تک فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ یہ علم کی راہ میں ان کا پہلا سفر تھا۔

رام پور کے بعد شبلی نے لاہور کا قصد کیا۔ اس مرتبہ حالات پہلے سے بھی زیادہ ناسازگار تھے۔ والد کی نظر میں اول تو سفر غیر ضروری تھا، دوسرے مسافت بہت دور دراز کی تھی، لیکن حسب سابق بیٹے کا علمی شوق باپ کی مصلحتوں پر غالب آیا اور وہ محض پچیس روپے زادِ راہ لے کر لاہور کے لیے روانہ ہو گئے۔ اس سفر اور اس کی دشواریوں کی روداد شبلی کے عزم بلند اور شغف علمی کی شہادت فراہم کرتی ہے، اس لیے ان کا مختصراً تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔ اعظم گڈھ سے جون پور تک یکّے سے سفر کیا، تین روپے اس میں صرف ہوئے۔ جون پور سے ریل کے ذریعے سہارن پور پہنچے۔ ٹکٹ میں سات روپے خرچ ہوئے۔

www.taemeernews.com

سہارن پور سے لاہور کی مسافت بھی ریل پر طے کی۔ ٹکٹ کی قیمت پانچ روپے ادا کی۔ لاہور پہنچ کر ایک کمرہ ایک روپیہ ماہانہ کرایے پر لیا۔ آٹھ روپے میں دو مہینے تک ایک نان بائی کی دکان سے کھانے کا بندوبست کیا دو ماہ بعد جب ہاتھ بالکل خالی ہوگیا، تو والد بزرگوار کو خط لکھا کہ مزاج عالی کی برہمی کے خیال سے اب تک میں نے اخراجات کے لیے آپ کو کوئی زحمت نہ دی اور تنگی و ترشی سے کسی طرح وقت گزارا۔ اب ہاتھ بالکل خالی ہو چکا ہے۔ توجہ فرمائیں۔

اس سفر سے شبلی کا مقصد مولانا فیض الحسن سہارنپوری پروفیسر اورنٹیل کالج، لاہور سے استفادہ کرنا تھا موصوف اس زمانے میں ہندوستان میں عربی کے سب سے بڑے ادیب اور شاعر تھے۔ انھیں عربی ادبیات کا ایک منفرد ذوق حاصل تھا۔ یہی کشش تھی جو شبلی کو اعظم گڈھ سے لاہور لے گئی، لیکن قسمت کی بات کہ مولانا سہارنپوری کے پاس انھیں پڑھانے کے لیے وقت بالکل نہ تھا۔ بالآخر شبلی کا شوق و اشتیاق دیکھ کر مولانا نے یہ تجویز رکھی کہ گھر سے کالج تک کی مسافت طے کرنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے، اسی میں وہ درس لے لیا کریں۔ کچھ دنوں کے بعد موسمِ گرما کی تعطیلات کے سلسلے میں دو ماہ کے لیے کالج بند ہوگیا اور مولانا سہارنپوری نے وطن کے لیے رختِ سفر باندھا۔ شبلی بھی اس دوران استاد کے ساتھ ساتھ رہے۔

کشمکش کا دور

۱۸۷۶ء میں انیس برس کی عمر میں شبلی رسمی تعلیم سے فارغ ہوگئے۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ کیا شغل اختیار کریں؟ ان کے والد شہر کے ایک کامیاب

www.taemeernews.com

وکیل تھے۔ اس لیے وہ بیٹے کو بھی اپنی ہی راہ پر لگانا چاہتے تھے، لیکن شبلی وکالت کو غیر علمی کام سمجھتے تھے اور انھیں غیر علمی مشاغل سے کوئی دل چسپی نہ تھی۔ اس طرح ان کی زندگی ایک کشمکش کا شکار ہو گئی۔ ایک طرف طبیعت غیر علمی کاموں سے بھاگتی تھی، دوسری طرف والد کے اصرار اور حکم کو ٹالنا بھی ممکن نہ تھا۔ تیسری جانب بے کاری و بے روزگاری کا احساس سوہانِ روح بنا ہوا تھا۔ غرض پانچ چھ سال کا عرصہ عجیب بے اطمینانی، ناآسودگی اور کشمکش میں بسر ہوا۔

اس دوران مختلف مشاغل اختیار کیے۔ اولاً وکالت کا امتحان پاس کیا۔ وکالت شروع کی، لیکن درحقیقت یہ صحبت، صحبتِ ناجنس تھی، اور علم و ادب کے مذاق آشنا کو قانونی موشگافیوں کے خارزار سے بھاگ نکلنے ہی میں عافیت محسوس ہوئی۔ وکالت کے بعد دوسری راہ ملازمت کی تھی۔ والد بزرگوار نے کلکٹری میں قائم مقام نقل نویس کی عارضی ملازمت دلوادی۔ کچہری تک پیدل آنا جانا وضع داری کے خلاف تھا۔ اس لیے اپنی سواری سے آتے جاتے تھے۔ دس روپے ماہوار تنخواہ تھی جس میں نو روپے آمد و رفت کی نذر ہو جاتے تھے چنانچہ اس ملازمت سے جلد ہی کنارہ کش ہو گئے۔ اس کے بعد کچھ دنوں قرق امین کی اسامی پر عارضی طور سے کام کیا اور حتی المقدور اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ برتی۔ رمضان کے مہینے میں بھی لُو اور دھوپ کی تپش میں روزہ رکھ کر گاؤں گاؤں پھرا کرتے، لیکن افسروں کی خوشامد کا فن نہ آتا تھا، اس لیے حسنِ کارگزاری کی سند تو درکنار، پروانۂ تقرری سے بھی محروم رکھے گئے۔ اسی زمانہ میں والد کے حکم سے ان کے نیل کے بعض کارخانوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کا کام بھی سرانجام دیا۔

www.taemeernews.com

رَوشن مستقبل کی اُمّید

شبلی عزم وہمت کے پتلے تھے اس لیے بے کاری وطالع آزمائی کے اس دور میں بھی نہ تو انھوں نے حالات سے شکست کھائی، اور نہ علمی وادبی مشاغل سے کنارہ کش ہوئے، بلکہ ایسے نازک وقت میں جب کہ کسب معاش کا کوئی ذریعہ ان کے پاس نہ تھا اور معمولی ملازمتوں کے لیے بھی وہ نااہل سمجھ لیے گئے تھے، نہ تو انھیں اپنے روشن مستقبل سے مایوسی ہوئی اور نہ قوت ارادی وخوداعتمادی نے ان کا ساتھ چھوڑا۔ وہ اپنے دوستوں کو خطوط میں برابر اس کا یقین دلاتے رہے کہ ان کی ناکامیاں اور محرومیاں درحقیقت زمانے کی ناقدرشناسی کا ثمرہ ہیں اور وہ دن دور نہیں جبکہ شبلی، شبلی ہوں گے۔

علی گڑھ کالج کی ملازمت

۱۸۸۳ء کے اوائل میں شبلی شہر بستی میں مقیم تھے، وہیں ان کے علم میں یہ بات آئی کہ محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج علی گڈھ میں عربی کے اسسٹنٹ پروفیسر کی جگہ خالی ہے۔ انھوں نے اس ملازمت کے لیے درخواست تیار کی اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے اس کی تصدیق وتوثیق کرائی جو سرسید کے بھی استاد تھے۔ اس کے بعد علی گڈھ پہنچے اور خاں بہادر محمد کریم ڈپٹی کلکٹر، علی گڈھ کے مکان پر فروکش ہوئے۔ جو ان کے والد سے متعارف اور محمدآباد گوہنہ ضلع اعظم گڈھ کے باشندے تھے۔ نیز کالج کی مجلس انتظامیہ سے بھی متعلق تھے۔

www.taemeernews.com

ڈپٹی صاحب نے ان کی ملاقات کالج کے سکریٹری مولوی سمیع اللہ صاحب سے کرائی اور انھوں نے ان کو سرسید کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس طرح جنوری ۱۸۸۳ء کے اواخر میں اسسٹنٹ پروفیسر عربی کے عہدے پر شبلی کا تقرر عمل میں آیا۔

علی گڑھ کے قیام کی برکتیں

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شبلی میں ذکاوت و ذہانت کے آثار بچپن سے موجود تھے اور نقد و نظر، تحریر و تصنیف اور شعر و سخن وغیرہ کی صلاحیتیں فطری طور پر موجود تھیں، لیکن جہاں تک اِن صلاحیتوں کے ظہور و نمود اور نشو و نما پانے کا تعلق ہے تو یقیناً وہ علی گڈھ کی فضاؤں اور سرسیّد کی صحبتوں ہی کی رہین منت ہے۔ علی گڈھ میں شبلی کا قیام کم و بیش سولہ برس رہا۔ اس دوران انھوں نے بہت کچھ سیکھا۔ جدید دور کے سیاسی و سماجی اور علمی و تہذیبی حالات اور تقاضوں سے واقفیت بہم پہنچائی مطالعہ میں وسعت پیدا کی۔ تحریر و تصنیف کا سلیقہ سیکھا۔ اپنے علمی و تہذیبی ورثے کی قدر و قیمت سے آگاہی حاصل کی۔ مغرب کو جانا اور اہل مغرب کی تصنیفات کا مطالعہ کیا۔ ان کی خامیوں اور خوبیوں، مثالب اور مناقب کے حدود متعین کیے۔ خلاصہ یہ کہ یہیں وہ مورخ بنے، سوانح نگار بنے، مصنف بنے، خطیب بنے، شاعر بنے، ادیب بنے، بلکہ شمس العلماء بنے، علامہ بنے۔ چنانچہ اپنی ایک تقریر میں علی گڈھ کے فیوض و برکات کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے خود کہا ہے:

"حضرات! یہ سچ ہے کہ اگر میری زندگی کا کوئی حصّہ علمی یا تعلیمی زندگی قرار پاسکتا ہے تو اس کا آغاز، اس کی نشو و نما،

www.taemeernews.com

اس کی ترقی، اس کی نمود، اس کا امتیاز جو کچھ ہوا ہے، اسی کالج سے ہوا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ یہاں آنے سے پہلے میں نے تصنیف کے دائرے میں قدم نہیں رکھا تھا۔ یہ سچ ہے کہ آج سے بہت پہلے میری دو تین کتابیں چھپ چکی تھیں اور شائع ہو چکی تھیں، لیکن ان کا مقصد کیا تھا آپس کے مذہبی جھگڑے (بڑھانا) مسلمانوں کی جماعت کو منتشر کرنا اور جو انتشار پہلے سے موجود تھا اس کو قوت اور استحکام دینا۔ میں آج سے بہت پہلے فارسی شعر بھی کہتا تھا، لیکن وہ کس قسم کے کس درجے کے تھے؟ یہ نہ خیال فرمائیں کہ میں اپنی موجودہ شاعری کو اعلا رتبے کی خیال کرتا ہوں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آج کی میری شاعری اگر پست ہے تو اس وقت کی پست تر تھی غرض میں نے جو کچھ سیکھا ہے اور جو کچھ ترقی کی ہے، وہ اسی کالج کی بدولت ہے۔ اس لحاظ سے میں جس طرح اِس کالج کا پروفیسر ہوں، اسی طرح اس کا ایک تربیت یافتہ شاگرد بھی ہوں۔"

شبلی کا متذکرہ بالا بیان مبالغے سے خالی اور مکمّل صداقت پر مبنی ہے۔ وہ علی گڈھ آئے تو علمی و ادبی حلقوں میں غیر معروف تھے۔ لیکن پانچ سات برس بعد ہی ایک مقالہ نگار اور مصنف کی حیثیت سے ملک میں ہر طرف مقبول و متعارف ہو چکے تھے۔ پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا ان کی شاعرانہ، ادیبانہ اور مورخانہ حیثیت مضبوط و مستحکم ہوتی گئی۔ انھوں نے اپنے بہترین تاریخی مقالے، بلند پایہ سوانح عمریاں اور بعض شاہکار منظومات علی گڈھ کے زمانۂ قیام

www.taemeernews.com

ہی میں لکھیں۔ چنانچہ مقالوں میں "مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم" الجزیہ، تراجم، کتب خانۂ اسکندریہ اور حقوق الذمیین، سوانح عمریوں میں المامون، سیرۃ النعمان اور الفاروق اور منظومات میں مثنوی صبح امید، کے نام یہاں بہ طور مثال پیش کیے جا سکتے ہیں۔

تصویر کا دوسرا رُخ

یہاں اس حقیقت کا اظہار نامناسب نہ ہوگا کہ علی گڈھ کالج کی وابستگی نے جہاں شبلی کو مختلف حیثیتوں سے فائدہ پہنچایا، وہیں کالج اور سرسید تحریک کے فروغ و استحکام میں شبلی نے بھی بھرپور حصّہ لیا۔ اپنی تصانیف کالج کی نذر کردیں کہ وہ ان کی اشاعت اور فروخت سے مالی منفعت حاصل کرے۔ مثنوی صبح امید میں سرسیّد اور ان کی تحریک کا نہایت حسین، دل آویز اور فن کارانہ مرقع پیش کیا۔ اس کے علاوہ ایک طویل عرصے تک سرسیّد کے دست و بازو بن کر کام کرتے رہے۔

روم و شام و مصر کی سیاحت

شبلی علی گڈھ میں سرسیّد کے بنگلے کے قریب جس مکان میں رہتے تھے وہاں نشیب کی وجہ سے پانی مرتا تھا۔ اس کے علاوہ علی گڈھ کی آب و ہوا بھی ان کے مزاج کے موافق نہ تھی۔ چنانچہ وہاں مستقل قیام کے نتیجے میں ۱۸۹۲ء کے آغاز میں ان پر ملیریا کا حملہ ہوا اور وہ بیمار پڑ گئے۔ علالت کا سلسلہ تین چار ماہ تک جاری رہا۔ مئی سے کالج میں موسمِ گرما کی تعطیلات شروع

www.taemeernews.com

ہو جاتی تھیں۔ شبلی نے صحت کی بحالی اور آب و ہوا کی تبدیلی کے خیال سے کشمیر کے سفر کا پروگرام بنایا۔ ان کا ارادہ تھا کہ اپریل ۱۸۹۲ء کے اواخر تک وہ اس سفر پر ضرور روانہ ہو جائیں گے، لیکن اسی دوران ان کے علم میں یہ بات آئی کہ ان کے محترم رفیقِ کار پروفیسر آرنلڈ وطن جانے کا قصد رکھتے ہیں۔ انھیں مبنّا خیال آیا کہ کیوں نہ روم و شام و مصر کی سیاحت کا پروگرام بنایا جائے۔ اس طرح سفر کا ایک بڑا حصّہ پروفیسر موصوف کی رفاقت میں بسر ہو جائے گا اور تبدیلیِ آب و ہوا کے علاوہ ان ممالک کی سیاحت کی دیرینہ آرزو بھی پوری ہو جائے گی، بہرحال، پروفیسر آرنلڈ سے مشورے کے بعد ۲۶/ اپریل کو علی گڈھ سے نکل پڑے اور قسطنطنیہ، بیروت، بیت المقدس اور قاہرہ کی سیاحت کرتے ہوئے نومبر ۱۸۹۲ء کے اوائل میں ہندوستان واپس آگئے۔

شبلی کا یہ سفر محض تفریحی نوعیت کا نہ تھا آب و ہوا کی تبدیلی کے علاوہ اس کے پسِ پشت مختلف قسم کے محرکات و عوامل بھی کارفرما تھے، جنھیں ہم سہولت کے خیال سے سیاسی، علمی اور تعلیمی کے خانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ان تینوں حیثیتوں سے ان کی آئندہ زندگی پر اس کے اثرات مرتب ہوئے۔ اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ اس سفر کے بعد سیاسی طور پر انگریزوں سے ان کے تنفر و تکدر میں اضافہ ہوا اور تُرک ان کی محبّت و عقیدت کا مرکز بن گئے۔ علمی لحاظ سے قسطنطنیہ اور قاہرہ کے کتب خانوں کی سیر نے ان کے ذہنی افق کو وسعت بخشی۔ مختلف علوم و فنون کی منتخب اور نادر قلمی کتابوں کی زیارت۔ دل کی شادمانی اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ بنی۔ بعض زیرِ تصنیف کتابوں کے لیے وہ ضروری اقتباسات اپنے ساتھ لائے۔ ان دونوں حیثیتوں سے بڑھ کر تعلیمی لحاظ سے ان کا یہ سفر بہت دوررس نتائج کا

www.taemeernews.com

حامل ثابت ہوا' چنانچہ اس سیاحت کے دوران انھوں نے یہ رائے قائم کی کہ مسلمانوں کو ایک ایسے نصاب تعلیم کی ضرورت ہے جو علوم قدیمہ اور علوم جدیدہ دونوں پر مشتمل ہو' اس لیے کہ محض قدیم' زمانہ کی ضروریات کا ساتھ نہیں دے سکتا اور محض جدید' دین و مذہب سے بے گانہ بناتا ہے۔

تحریک ندوۃ العلمار سے وابستگی

جس زمانے میں شبلی روم و شام و مصر کی سیاحت سے واپس آئے ، اس کے تین چار مہینے بعد ہی ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء میں کان پور میں چند حساس اور درمند علما کے ہاتھوں "ندوۃ العلمار" کے نام سے ایک انجمن قائم ہوئی ، جس کا مقصد قدیم نظام تعلیم کی اصلاح' مدارس اسلامیہ کے مابین اتحاد و اتفاق اور مختلف اسلامی فرقوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا تھا۔ شبلی جب اس انجمن اور اس کے اغراض و مقاصد سے متعارف ہوئے تو انھیں گویا تاریکی میں روشنی کی ایک کرن نظر آئی اور انھوں نے محسوس کیا کہ تعلیم کے میدان میں اصلاح و تجدید کا جو خاکہ ان کے ذہن و دماغ میں موجود ہے' وہ اسے ندوۃ العلما کے پلیٹ فارم سے بہ آسانی عوام و خواص تک پہنچا سکتے ہیں ۔ لہٰذا وہ اس تحریک کے ایک سرگرم کارکن بن گئے ۔ اس وقت تک علمی حلقوں میں انھیں شہرت حاصل ہو چکی تھی اور وہ ملک کے طول و عرض میں ایک بلند پایہ مصنف اور اہل قلم کی حیثیت سے متعارف ہو چکے تھے اس لیے ندوۃ العلما کے ذمہ داروں نے بھی اُنھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ہر طرح سے ان کی پذیرائی کی۔ اس طرح وہ سرسیّد اور علی گڈھ تحریک سے بتدریج

www.shibleernews.com

دور ہوتے چلے گئے۔

ریاست حیدرآباد کا وظیفہ

اب شبلی کو علی گڑھ کے قیام میں کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ اگر ریاست حیدرآباد سے کوئی علمی و تصنیفی وظیفہ ان کے نام جاری ہو جائے تو علی گڑھ کی ملازمت سے قطع تعلق کرلیں۔ چنانچہ اگست ۱۸۹۶ء میں انھوں نے حیدرآباد کا سفر کیا۔ نواب وقارالامرا، وزیراعظم ریاست حیدرآباد اور سید علی بلگرامی، انسپکٹر جنرل معدنیات حیدرآباد وغیرہ سے ان کے دیرینہ تعلقات تھے ان لوگوں کی سعی و سفارش اور تگ و دو کے نتیجے میں ستمبر ۱۸۹۶ء میں نظام حیدرآباد میر محبوب علی خاں کی سرکار سے سو روپے ماہوار کا وظیفہ ان کے نام جاری ہوگیا، شرط یہ تھی کہ آئندہ سے ان کی تمام تصنیفات سلسلۂ آصفیہ میں داخل ہوں گی۔

اس کے بعد علی گڑھ کالج سے شبلی کا تعلق برائے نام رہ گیا۔ پہلے دسمبر ۱۸۹۶ء سے نومبر ۱۸۹۷ء تک ایک سال کی رخصت لی، پھر مئی ۱۸۹۸ء میں دوبارہ چھ مہینے کی رخصت حاصل کی، اس کے بعد مستعفی ہوگئے۔

حیدرآباد کی ملازمت

کالج کی ملازمت سے قطع تعلق کے بعد شبلی طرح طرح کی پریشانیوں میں گھر گئے۔ ۱۸۹۸ء اور ۱۸۹۹ء کا بیشتر حصہ شدید علالت میں بسر ہوا۔ نومبر ۱۹۰۰ء

www.taemeernews.com

میں والد ماجد نے وفات پائی۔ ان کے انتقال کے ساتھ ہی بہت سے گھریلو مسائل پیدا ہوگئے۔ ان حالات سے گھبراکر فروری ۱۹۰۱ء میں انھوں نے ایک بار پھر حیدرآباد کا رُخ کیا اس سفر کا مقصد ملازمت کا حصول تھا۔ بظاہر کامیابی کے امکانات بھی قوی تھے، لیکن بدقسمتی سے اسی زمانے میں شبلی کے محسن وزیراعظم نواب وقارالامرا اور نظام حیدرآباد میر محبوب علی خاں کے مابین کشیدگی و ناچاقی پیدا ہوئی اور بڑھتی چلی گئی۔ شبلی کے بعض دوسرے احباب بھی جو وزیراعظم کے متوسلین میں تھے، معتوب ہوئے۔ اس لیے کئی مہینے کی مدت ملازمت کی امیدواری میں گزر گئی۔ خدا خدا کرکے ۲۲ مئی ۱۹۰۱ء کو "نظامت سررشتۂ علوم و فنون" کے عہدے پر ان کا تقرر عمل میں آیا۔ چار سو روپے ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی۔ اس ملازمت سے وہ فروری ۱۹۰۵ء تک وابستہ رہے اس دوران انھوں نے 'الغزالی' 'علم الکلام' 'الکلام' اور موازنۂ انیس و دبیر وغیرہ کئی کتابیں لکھیں۔

ندوۃ العلماء کی معتمدی

اپریل ۱۹۰۵ء میں شبلی دارالعلوم ندوۃ العلما کے معتمد تعلیم منتخب کیے گئے۔ اس تعلق سے انھوں نے لکھنؤ کی اقامت اختیار کی۔ ندوے سے وابستگی کا یہ سلسلہ ۱۹۱۳ء تک برقرار رہا۔ اس دوران انھوں نے دارالعلوم ندوہ کی ترقی اور اصلاح کے لیے بہت سے نمایاں کارنامے انجام دیئے، چنانچہ قدیم نصاب تعلیم میں اصلاح کی اور اس کی جگہ نیا نصاب جاری کیا۔ انگریزی تعلیم لازمی قرار دی۔ اختیاری زبان کے طور پر

www.taemeernews.com

ہندی اور سنسکرت کی تعلیم کا انتظام کیا۔ جدید عربی زبان میں تحریر و تقریر کی صلاحیت پیدا کرنے پر زور دیا۔ ہونہار طلبہ کی ایک جماعت کو تربیت دے کر تصنیف و تالیف کے لیے تیار کیا۔ اعلا درجات اور درجۂ تکمیل کی تعلیم کا سلسلہ شروع کرایا کتب خانۂ ندوہ کے ذخیرۂ کتب کو دو چند کیا۔ 'الندوہ' کے نام سے ایک معیاری علمی و تحقیقی مجلہ جاری کرایا۔ ندوہ کی مستقل آمدنی کے ذرایع پیدا کیے۔ اس کی مستقل عمارت کے لیے گورنمنٹ سے ایک وسیع آراضی حاصل کی۔ شاندار جلسۂ سنگ بنیاد منعقد کرایا اور درسگاہوں کے لیے ایک خوب صورت عمارت تعمیر کرائی وغیرہ۔

آخر آخر میں شبلی اور ندوۃ العلماء کے بعض دوسرے ارکان کے درمیان عدم اعتماد اور بدگمانیوں کی بناء پر، طرح طرح کے اختلافات پیدا ہوگئے۔ اس لیے جولائی ۱۹۱۳ء میں انھوں نے معتمدی سے استعفا دے دیا۔

وفات

شبلی اپنی آخری تصنیف 'سیرۃ النبی' کی تحریر و تسوید میں مشغول تھے کہ انھیں اپنے چھوٹے بھائی محمد اسحاق، وکیل الہ آباد ہائی کورٹ کی بیماری کی اطلاع ملی۔ فوراً الہ آباد پہنچے لیکن چند روزہ علالت کے بعد ۱۵ر اگست ۱۹۱۴ء کو بھائی نے وفات پائی۔ اس حادثے نے اُنھیں پیرانہ سال، شکستہ دل اور غم زدہ بناکر رکھ دیا۔ وہ ہر طرف سے مُنھ موڑکر اعظم گڑھ چلے آئے۔ ارادہ تھا کہ یہیں رہ کر سیرت کی تکمیل کریں گے

www.taemeernews.com

[illegible] کے بیٹے [illegible] کے نام سے ایک ادارہ قائم
کیا۔ ان کے بعض افسانوں کا مرحلہ طے ہی ہو رہا تھا کہ پیامِ اجل
آگیا اور ۱۲ دسمبر ۱۹۹۲ء کو وفات پا گئے۔

www.taemeernews.com

شخصیت اور کردار

مولانا شبلی کی شخصیت اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ پُرکشش اور دل آویز ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ یک رُخے اور یک فنے نہیں ہیں، بلکہ پہلودار اور ہمہ جہت ہیں یہ وصف ان میں ابتدا ہی سے موجود تھا، اسی لیے انھوں نے استاد بھی ہر طرح کے انتخاب کیے۔ چنانچہ ان کے اساتذہ میں ایک طرف مولانا فاروق چریاکوٹی جیسے معقولی عالم ہیں، تو دوسری جانب مولانا ارشاد حسین رام پوری جیسے فقیہہ ہیں اور تیسری سمت مولانا فیض الحسن سہارن پوری جیسے ادیب و شاعر ہیں۔ ان علمائے کرام کے علاوہ انھوں نے پروفیسر آرنلڈ سے بھی اکتساب فیض کیا۔ مشرقی زبانوں میں، وہ عربی، فارسی اور اردو تینوں سے نہ صرف واقف، بلکہ تینوں میں صاحبِ ذوق وصاحبِ تصانیف تھے اس کے علاوہ مغربی زبانوں میں کسی قدر فرنچ سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔

تنوع، رنگارنگی اور پہلوداری کی یہی کیفیت ان کے علمی و ادبی کارناموں میں بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ ادیب و انشاپرداز بھی ہیں اور شاعر و ناقد بھی، متکلم و معقولی بھی ہیں اور مؤرخ و سوانح نگار بھی۔ شاہانِ عجم کے مدح خواں بھی ہیں اور عظیم المرتبت سیرت نگار بھی۔ صاحبِ

www.taemeernews.com

تصانیف و کتب بھی ہیں اور بلند پایہ مقالہ نگار بھی ۔ پھر ان کے کارناموں کا الگ الگ جائزہ لیجیے، تو ہر جگہ ایک سے زیادہ ہی پہلو نظر آئیں گے ۔ مثلاً ان کی انشا پردازی نہ حالی کی طرح سادہ، سپاٹ اور خشک ہے، نہ محمد حسین آزاد کی طرح مُرصّع، رنگین اور پر از تشبیہات و استعارات، بلکہ دونوں کی ملی جلی کیفیت لیے ہوئے ہے ۔ اسی طرح بحیثیت شاعر وہ نظم گو بھی ہیں اور غزل گو بھی ۔ انھوں نے قصیدے بھی لکھے ہیں اور مثنویاں بھی، رباعیاں کہی ہیں اور مرثیے بھی، پھر سنجیدہ شاعری بھی کی ہے اور طنزیہ بھی ۔ فارسی میں بھی طبع آزمائی کی ہے اور اردو میں بھی ۔ یہی حال ان کی تنقید نگاری کا بھی ہے ۔ ایک طرف انھوں نے حافظ، سعدی اور خسرو جیسے شاعروں کے کلام کو تنقید، تبصرے اور محاکمے کا موضوع بنایا ہے، تو دوسری طرف اردو شاعروں میں انیس و دبیر کے کلام کا موازنہ و مقابلہ بھی کیا ہے۔

زندگی اور اس کے حقائق و مسائل کے بارے میں بھی وہ محض ایک رُخ یا ایک زاویے پر سوچنے کے عادی نہ تھے بلکہ وہ مسئلے کے ہر پہلو کو سامنے رکھتے تھے۔ مثلاً ان کا خیال تھا کہ کوئی قوم محض ماضی پر تکیہ کر کے اور قدامت پسندی کے دائروں میں محصور ہو کر زندہ نہیں رہ سکتی ۔ ساتھ ہی وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ محض تجدّد پسندی پر انحصار اور اپنی روایات سے یکسر انقطاع بھی باخبر اور بیدار مغز قوموں کا شیوہ و شعار نہیں ۔ اسی لیے وہ اپنی تحریر و تقریر میں ہر جگہ جدّت و قدامت، روایت و بغاوت اور ماضی و حال کو آمیز کرنے کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں۔

تعلیم کے بارے میں ان کا نظریہ علمائے قدیم و دانش ورانِ جدید دونوں سے مختلف تھا۔ ان کا خیال تھا کہ علومِ قدیمہ زمانے کی ضروریات

www.taemeernews.com

کا ساتھ نہیں دے سکتے اور محض علومِ جدیدہ' دین و مذہب سے بے گانہ بناتے ہیں۔ وہ عربی مدارس کے نصاب میں بھی تجدید و اصلاح کو ضروری سمجھتے تھے۔ علما کے لیے انگریزی زبان کی تعلیم کو لازمی اور ہندی وسنسکرت سے واقفیت کو مفید تصور کرتے تھے۔ اسی طرح مذہبی و اخلاقی تعلیمات کے بغیر علوم جدیدہ کے نصاب کو غیرمفید اور نامکمل قرار دیتے تھے۔

عورتوں کے بارے میں ان کے خیالات دلچسپ اور فکرانگیز ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ عورتوں کو گھر کی چہار دیواری میں محدود و مقید کر دینا یا جاہل محض بنائے رکھنا نامناسب ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ مردوں کی طرح وہ بھی حالات زمانہ سے باخبر' تعلیم یافتہ' مہذب و شائستہ اور تحریر و تقریر کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہوں۔ بلکہ آگے بڑھ کر وہ یہاں تک کہتے تھے کہ عورتوں کا ہمہ وقت چھوئی موئی اور دھان پان بنا رہنا ہی' مردوں کے ہاتھوں ان پر ظلم وستم ڈھائے جانے کا سبب بنتا رہا ہے' لہٰذا انھیں شیوۂ آرایشِ جمال کو ترک کرنا اور فلسفۂ حرکت وعمل پر عامل ہونا چاہیے۔ البتہ وہ پردے کے قائل تھے اور مرد وزن کے آزادانہ اختلاط کو سخت ناپسند کرتے تھے۔

انڈین نیشنل کانگریس ۱۸۸۵ء میں مولانا شبلی کے سامنے ہی قائم ہوئی تھی۔ بعض اسباب و وجوہ کی بنا پر سرسیّد اور بعض دوسرے سربرآوردہ حضرات اس کے ہم نوا نہ تھے اور مسلمانوں کو خاص طور پر اس سے دور رہنے کا مشورہ دیتے تھے۔ مولانا شبلی کو سرسیّد کی اس رائے سے اتفاق نہ تھا۔ وہ اس تحریک سے مسلمانوں کی وابستگی کو نہ صرف مفید' بلکہ ضروری خیال کرتے تھے۔ ابوالکلام آزاد کی سیاسی تربیت مولانا شبلی ہی

www.taemeernews.com

کے زیرسایہ ہوئی تھی۔ کانگریس کے برخلاف مسلم لیگ کی حیثیت ان کی نگاہوں میں مشکوک ومشتبہ تھی۔ ان کا خیال تھا کہ یہ تحریک انگریزوں کی خوشامد، چاپلوسی اور موقع پرستی کے لیے وجود میں آئی ہے اس پر انھیں یہ اعتراض بھی تھا کہ اس کے کارکنوں میں مقصدیت، جفاکشی، سخت کوشی اور ایثار و قربانی کی روح مفقود ہے۔ اس قسم کے خیالات کا اظہار انھوں نے اپنی کئی نظموں میں کیا ہے۔

مولانا شبلی کی تحریروں کا پس منظر اور ماحول اگرچہ عمومی احوال کے لحاظ سے اسلامی ہے، لیکن ان کا ذہن و مزاج تعصّب سے خالی اور روادارانہ تھا۔ اس سلسلے میں ان کے مضمون "مسلمانوں کی پولٹیکل کروٹ" کی چوتھی قسط خاص طور پر قابلِ مطالعہ ہے۔ اس کے علاوہ اپنے تاریخی مقالات میں بھی انھوں نے جہاں شاہان تیمور کی عدل گستری و خلق پروری کی داستانیں سنائی ہیں، وہیں ہندو راجگان و مہاراجگان کی تعریف و توصیف بالخصوص ان کی وفاکیشی کے بیان میں ترزبان بھی رہے ہیں۔

نظریات و افکار اور کارناموں کی طرح مولانا شبلی کی نجی زندگی بھی تنوع اور رنگارنگی کا پہلو لیے ہوئے ہیں۔ وہ فکری طور پر راسخ العقیدہ مسلمان اور مذہبی شخص تھے۔ شراب ناب اور دیگر منہیات و محرمات سے ہمیشہ دور رہتے تھے، لیکن موسیقی کی محفلوں اور میلوں ٹھیلوں میں گاہے بہ گاہے شرکت کر لیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کے ایک بے تکلف دوست عبدالرزاق کانپوری کا بیان ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

> "تاریخی اور علمی تحقیقات کی بنا پر مولانا ہر قسم کے میلوں اور تفریحات میں شریک ہوا کرتے تھے۔ کان پور میں رام لیلا، کا

www.taemeernews.com

میلا ہو رہا تھا کہ مولانا لکھنؤ سے یکایک تشریف لائے اور فرمایا کہ آج 'راون' جلایا جائے گا اور اس ڈرامہ کا یہ اخیر سین ہے' میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں اور کان پور سے بہتر یہ میلا کہیں نہیں ہوتا ہے ۔ میں نے عرض کیا یہ آپ کی شان کے خلاف ہے۔ کسی قدر برہم ہوکر بولے تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہو تو ہندوستان کی سبھائیں اور ڈرامے ضرور دیکھو' کیوں کہ عملی طریقے سے دکھائے جاتے ہیں ۔ میں نے نہایت خاموشی سے ایک پالکی گاڑی کرایہ کی ۔ مولانا نے ۔۔۔۔ گاڑی میں بیٹھ کر فیضی کی رامائن کے حسبِ حال اشعار سنائے اور تقریباً چار گھنٹے میں میلا ختم ہوگیا۔"

ان کے حلقۂ احباب اور دائرۂ متعلقین میں بھی قسم قسم کے لوگ شامل تھے چنانچہ ان میں نواب اور امرا بھی تھے' مثلاً وقار الامرا' صدر یار جنگ' سید علی بلگرامی ۔ سید حسین بلگرامی' اور صلحا و اتقیا بھی' مثلاً مولانا محمد علی مونگیری' مولانا سید عبدالحئ حسنی ۔ علمائے دین بھی تھے ؛ مثلاً مولانا عبیداللہ سندھی' مولانا عبدالحق حقانی اور شعرا و ادبا بھی ؛ مثلاً حالی' نذیر احمد' مہدی افادی' اکبر الہ آبادی اور داغ دہلوی ۔ یہی نہیں بلکہ ان میں بعض خواتین بھی شامل تھیں' مثلاً عطیہ فیضی ۔

مولانا شبلی کی شخصیت کا یہ پہلو بھی لائق ذکر ہے کہ ان میں فیض رسانی و مردم سازی کی صلاحیت بھی بدرجۂ کمال موجود تھی' چنانچہ ان کی صحبت کا فیض اٹھاکر صاحبِ قلم بننے والوں کی فہرست طویل بھی ہے اور قابلِ رشک بھی چند نام بطور مثال ملاحظہ ہوں! خواجہ غلام الثقلین' مولوی عبدالحق'

www.taemeernews.com

حسرت موہانی ، سجاد حیدر یلدرم ، ظفر علی خاں۔ یہ سب علی گڑھ کے زمانۂ قیام کے شاگرد اور مستفیدین ہیں ۔ بعض ندوی فیض یافتگان کے نام بھی ملاحظہ ہوں؛ مولانا سید سلیمان ندوی ، مولانا عبدالسلام ندوی ، مولانا ضیاء الحسن علوی ، مولانا عبدالباری ندوی ۔ ان کے علاوہ مولانا کے خرمنِ علم و ادب کے خوشہ چینوں میں عبداللہ عمادی ، ابوالکلام آزاد اور عبدالماجد دریابادی کے نام بھی شامل ہیں ۔

مولانا شبلی کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ وہ تصنیف و تالیف کی بے پناہ صلاحیتوں سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ علمی خطوط پر سوچنے ، کام کرانے اور منصوبے تیار کرنے میں بھی ماہر تھے ۔ ان کا ذہن علم و ادب کی خدمت کی نوع بہ نوع شکلیں تلاش کرتا رہتا تھا ، چنانچہ انجمن ترقیِ اردو کی سکریٹری شپ ، ندوۃ العلماء کی معتمدی ، ماہ نامہ الندوہ کی ادارت ، علمی نمائشوں کے اہتمام اور اہم مخطوطات کی اشاعت سے متعلق ایک ادارے ، نیز دارالمصنفین کے قیام کی تجویز کو اس سلسلے کی مثالوں میں پیش کیا جاسکتا ہے ۔

www.taemeernews.com

حلیہ اور لباس

مولانا شبلی کے عزیز شاگرد سید سلیمان ندوی نے ان کا حلیہ اس طرح بیان کیا ہے :

"قد بلند و بالا تھا، پیشانی چوڑی، آنکھیں بڑی، ناک لمبی کھڑی، دہانہ بڑا، چہرہ لمبا کھڑا، رنگ گندمی، ہاتھوں کی انگلیاں لمبی، بھنویں گھنی اور لمبی، داڑھی نہ لمبی نہ چھوٹی، درمیانی۔"

۱۸۸۷ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانگرس کے اجلاس کے موقع پر جب وہ اپنا مقالہ پیش کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اس وقت کا سراپا عبدالرزاق کانپوری نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے :

"سید صاحب (سرسید احمد خاں) نے بہ حیثیت سکریٹری کانفرنس مولوی صاحب سے ارشاد فرمایا کہ مولانا اب آپ اپنا لکچر شروع کریں، چنانچہ مولانا اپنی جگہ سے اٹھ کر صدر چبوترے پر تشریف لائے اور زرد رنگ کا حجازی کار چوبی رومال سر سے ہٹایا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ آپ کی عمر تقریباً ۳۵ سال ہوگی اور چہرے پر گول سیاہ داڑھی تھی۔ آنکھوں میں خاص قسم کی چمک اور بشرے سے فراست ٹپکتی تھی اور کبھی کبھی بائیں ابرو بھی پھڑکتی تھی۔

www.taemeernews.com

جدید فیشن کی گرم اچکن تھی اور سر پر پارسی نما، سیاہ اونچی ٹوپی
جو تقریباً نصف رومال سے چھپی ہوئی تھی۔"

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے لکھا ہے :

" میں نے بہت ابتدائی زمانے میں ان کو علی گڑھ کی نمائش کے
موقع پر کشتی کے دنگل میں دیکھا تھا۔ خوب توانا تھے۔ سر کے بال
پریشان ایک سیاہ گول ٹوپی سے باہر نکلے ہوئے تھے۔"

مختلف اسباب و عوارض کی بنا پر ان کی صحت قبل از وقت گر گئی تھی اور بال ادھیڑ عمر میں ہی سن رسیدہ ہو گئے تھے۔ بہ قول مولانا عبدالماجد دریابادی " ستّر اور اَسّی برس کیا معنی، ابھی ساٹھ برس کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ 'بڑے میاں' بن گئے تھے۔"

لباس میں عام طور پر موٹی ململ کا کرتہ، کسی قدر چوڑی مُہری کا سفید چھالٹ کا پائجامہ اور ڈھیلی شروانی پہنتے تھے۔ ٹوپی اُدنی یا سادہ کپڑے کی سیاہ رنگ کی ہوتی تھی۔ جُوتا سُرخ سلیم شاہی ہوتا تھا۔ بعد میں بوٹ بھی پہننے لگے تھے۔ جاڑوں میں روئی دار بنڈی، روئی دار دُگلا اور گرم کشمیری رومال کا استعمال کرتے تھے۔ کبھی کبھار سُرَج کا پائجامہ بھی پہن لیا کرتے تھے۔ جلسوں اور تقریبات کے موقع پر عمامہ بھی باندھتے اور عبا بھی زیب تن کرتے تھے۔

www.taemeernews.com

عادات وخصائل

شب وروز کا نظام

مولانا شبلی سحر خیزی کے عادی تھے۔ عموماً پچھلے پہر اٹھ جاتے۔ بستر پر لیٹے ہی لیٹے قرآنِ پاک کی زبانی تلاوت کرتے، پھر عربی اشعار جو یاد آجاتے گا کر پڑھتے۔ سویرا ہو جانے پر نماز سے فارغ ہو کر چائے پیتے۔ پھر حوائج ضروریہ سے فراغت حاصل کرتے۔ اس کے بعد لکھنے کی میز پر آجاتے اور آٹھ نو بجے تک مسلسل تحریر و تسوید میں مشغول رہتے۔ لکھنے کے کام سے فارغ ہو کر مطالعۂ کتب میں مصروف ہو جاتے تھے۔ یہ سلسلہ دس بجے تک جاری رہتا تھا۔ دوپہر کا کھانا دس بجے کے آس پاس کھا لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد سے چار بجے شام تک کا وقت کتابوں کی ورق گردانی اور ضروری مواد کی تلاش وغیرہ میں صرف ہوتا تھا۔ چار بجے کے بعد سے ملنے والوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ اس میں دوست احباب بھی ہوتے۔ اور طلبہ و مستفیدین بھی۔ یہ مجلس علمی و ادبی لطائف و ظرائف سے پُر ہوتی تھی۔ مولانا اس وقت شگفتگی و شادابی کی تصویر بنے ہوئے معلومات کا خزانہ لٹاتے رہتے تھے۔ مغرب کے وقت یہ مجلس برخواست ہو جاتی۔ رات کا کھانا وہ جلد ہی کھا لیتے اور نو بجے تک سونے کے لیے لیٹ جاتے تھے۔ سوتے وقت مکمل سکون کا اہتمام کرتے۔ یہاں تک کہ خواب گاہ کے آس پاس

www.taemeernews.com

کسی قسم کی نقل و حرکت بھی انھیں ناگوار تھی۔

سادگی و نفاست

مولانا شبلی مزاجًا سادہ طبیعت انسان تھے۔ لباس کی طرح کھانے پینے میں بھی بہت زیادہ تنوع اور اہتمام کے قائل نہ تھے، لیکن اس بات کی ضرور فکر کرتے کہ کھانا عمدہ پکا ہوا ہو۔ کہا کرتے تھے: "میں عمدہ پکی ہوئی دال کھا سکتا ہوں اور بُرا پکا ہوا گوشت نہیں کھا سکتا۔" کپڑے ہمیشہ صاف پہنتے تھے اور ہفتے میں دو تین بار تبدیل کرتے۔ ان کا رہائشی کمرہ سادگی کے باوجود نہایت صاف شفاف رہتا تھا۔ پان کے عادی نہ تھے اور اگر کوئی پان کھا کر ان کے مکان میں تھوک دیتا تو سخت ناراض ہوتے اور اس کی صفائی میں مبالغے سے کام لیتے تھے۔ بدبو سے بھی سخت نفرت تھی، اسی لیے حقّہ پینے والوں سے دور بھاگتے تھے۔ مسودات کے لیے سفید فلسکیپ کاغذ کا اہتمام کرتے تھے۔ قلم، دوات اور نب بھی عمدہ قسم کا استعمال کرتے۔ عطر بھی ہلکی خوشبو والا پسند تھا۔ چائے میں دودھ کا استعمال لطافت کے خلاف تصور کرتے اور ہمیشہ بغیر دودھ کی چائے پیتے۔

عزتِ نفس اور خودداری

مولانا شبلی میں عزتِ نفس کا احساس اور خودداری کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اپنی زندگی کے ابتدائی زمانے میں وکالت، امانت اور نقل نویسی

www.taemeernews.com

وغیرہ مشاغل ہیں، ان کی ناکامی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ ان کاموں کو اپنی عزتِ نفس اور خودداری کے خلاف تصور کرتے تھے۔ علی گڑھ کی ملازمت کو بھی ابتداءً وہ اپنے شایانِ شان نہیں سمجھتے تھے۔ اس زمانے میں ان کی تنخواہ چالیس روپے ماہوار تھی، اس بنا پر جہاں کہیں ان کو اپنی کم حیثیتی کا احساس ہوتا، سخت رنجیدہ ہوتے۔ اس سلسلے کا ایک واقعہ خود بیان کرتے تھے:

"ایک بار اسٹریچی ہال میں جلسہ ہوا، اور لوگ تنخواہ کے لحاظ سے درجہ بہ درجہ آگے پیچھے بٹھائے گئے اور اس وقت میری کرسی بہت پیچھے رہی، تو میں نے یہ منظر دیکھ کر گردن جھکالی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔"

امرا و نوابین کی خوشامد، درباداری اور مدح سرائی وغیرہ سے ہمیشہ دور بھاگتے تھے۔ مالی تحائف اور نذرانوں کو بھی خودداری کے خلاف تصور کرتے تھے اور اس نام سے کبھی کوئی رقم قبول نہ کرتے تھے۔

ایک بار ندوۃ العلما کے لیے چندہ کی تحریک کا موقع آیا تو یہ شعر پڑھا ؎

عاشقِ تازہ ہوں اور وصل کی اول شب ہے
شرم سے کہہ نہیں سکتا ہوں کہ کیا مطلب ہے؟

زود حسی و انتہا پسندی

مولانا شبلی نہایت حساس تھے۔ سردی ہو یا گرمی، رنج ہو یا خوشی،

www.taemeernews.com

دوستی ہو یا دشمنی، ہر ایک کا اثر ان پر بہت جلد ظاہر ہوتا تھا اور نہایت شدّت کے ساتھ، شاید اس میں اُن کے راجپوتی خون کا بھی کچھ دَخل تھا۔ مولانا حبیبُ الرحمٰن خاں شروانی نے لکھا ہے کہ:

"ایک روز ایک نیم مُردہ بھڑ نے ان کے پانو پر ڈنک مار دیا۔ اس قدر بے تاب ہوئے کہ مجھ کو حیرت ہو گئی۔ اس قدر زمانہ گزرنے پر بھی آج تک اس اضطراب کی تصویر آنکھوں میں ہے۔"

سردی خواہ کتنی ہی سخت ہو، پانی برف کا ہی پیتے تھے۔ یہاں تک کہ رات کا باسی پانی بھی ان کے معیار پر پورا نہ اترتا تھا۔ مولانا عبدالماجد دریابادی اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعے کے ناقل ہیں۔ لکھتے ہیں:

"ایک بار کیا ہوا کہ ۱۳ء کے آخری ہفتۂ دسمبر میں لکھنؤ میں شب کو غریب خانے پر کھانے پر تشریف لائے... کھانے پر مولانا نے پانی طلب فرمایا اور جب پیش ہوا تو بولے "برف نہیں ہے؟" اتنے کڑکڑاتے جاڑے میں رات کے وقت کسی کو خیال بھی برف کا ہو سکتا تھا؟ اور اس وقت تو تلاش سے امین آباد میں بھی نہ ملتی۔ میں شرمندگی سے پانی پانی ہو گیا۔"

دوسری طرف سردی بھی بہت زیادہ محسوس کرتے۔ معمولی رضائی، کمبل اور لحاف وغیرہ سے ان کا کام نہ چلتا۔ گرمی کا احساس بھی بہت شدید تھا۔ آخر زمانے میں گرمی کی شدّت سے بچنے کے لیے بمبئی چلے جایا کرتے تھے۔ کھانے میں نمک بھی تیز پسند تھا۔ کھاتے وقت دسترخوان پر رکھ لیتے

www.taemeernews.com

اور اوپر سے کھانے میں ڈالتے رہتے۔ شیرینی بھی ایسی پسند تھی جو گلوسوز ہو۔ مصری کی ڈلیاں چبانا اور شکر کے دانے منھ میں ڈالتے رہنا، ان کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ ایک بار کا واقعہ ہے؛ بیمار تھے، بعض احباب ملنے کے لیے گئے۔ لحاف اوڑھے ہوئے تھے، منھ بند تھا، لیکن دانتوں کے چلنے کی کچھ آواز آرہی تھی۔ پوچھا گیا آپ کیا کررہے ہیں؟ جواب دیا "کچھ نہیں"۔ لحاف اُٹھاکر دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ سینے پر شکر کی ایک طشتری رکھی ہوئی ہے اور وہ اس میں سے تھوڑی تھوڑی شکر منھ میں ڈالتے جاتے ہیں۔

طنز وظرافت

مولانا شبلی کی طبیعت میں ظرافت اور طنز کا مادہ بھی تھا۔ اول الذکر کا اظہار مسرت و انبساط کے وقت اور ثانی الذکر کا ناراضگی اور انقباض کے موقعوں پر ہوتا تھا۔ مئی ۱۹۰۷ء کی بات ہے؛ اعظم گڈھ میں قیام پذیر تھے شعرالعجم زیر تصنیف تھی۔ شاہ نامۂ فردوسی پر تبصرہ لکھ رہے تھے کہ قلم ہاتھ سے رکھا اور زنان خانے میں تشریف لے گئے۔ تخت پر بیٹھے ہی تھے کہ اتفاقیہ بہو کے ہاتھ سے بندوق سَر ہوگئی۔ پانو نشانہ بنا۔ نتیجتاً ایک پانو نصف پنڈلی سے کاٹ کر جدا کردیا گیا۔ یہ ایک سخت حادثہ تھا، لیکن مولانا کی ظرافت پسند طبیعت کے لیے بہت سے ادبی لطائف وظرائف کا محرک بن گیا، چنانچہ علی گڑھ میں ایک سالانہ جلسے کے موقع پر تاخیر سے پہنچنے کا سبب اسی حادثے کو بتایا، پھر کہنے لگے: "امید ہے کہ میرا یہ عذر، عذر لنگ نہ خیال کیا جائے گا۔"

www.taemeernews.com

اکبرالہ آبادی نے انھیں ایک بار کھانے پر مدعو کیا، تو اس موقع پر مولانا نے اپنی معذوری کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ؎

آج دعوت میں نہ آنے کا مجھے بھی ہے ملال
لیکن اسباب کچھ ایسے ہیں کہ مجبور ہوں میں
لیکن، اب میں وہ نہیں ہوں کہ پڑا پھرتا تھا
اب تو اللہ کے افضال سے تیمور ہوں میں

مہدی افادی مولانا شبلی کی انشا پردازی کے بڑے مداح تھے اور خطوط میں برابر اظہارِ عقیدت کرتے رہتے تھے۔ ایک زمانے میں میر ناصر علی ایڈیٹر رسالہ "صلائے عام" کو بھی ان کی انشا پردازی کی تعریف میں متعدد خطوط لکھے۔ یہی نہیں بلکہ ایک خط میں مولانا پر کچھ تعریض بھی کردی۔ میر صاحب نے یہ خطوط شائع کردیئے، جب مولانا شبلی کی ان پر نگاہ پڑی تو مہدی کو لکھا:

"مہدی! میں تم کو مُوحِّد سمجھتا تھا، مگر افسوس تم مشرک نکلے۔"

شعر و سخن اور موسیقی کا ذوق

مولانا کا احساسِ جمال شدید تھا۔ فنونِ لطیفہ بالخصوص شاعری اور موسیقی سے محظوظ ہونے اور ان کی نزاکتوں اور لطافتوں کی داد دینے کی صلاحیت بھی ان میں بہ درجۂ اتم پائی جاتی تھی۔ شاعری اور موسیقی دونوں کا ذوق، ان میں مولانا فاروق چریاکوٹی کی صحبت میں پیدا ہوا تھا، جو شاعر بھی تھے اور موسیقی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔

www.taemeernews.com

مولانا شبلی کے معاصرین کا بیان ہے کہ فارسی اور اردو کے ہزاروں اشعار ان کے دماغ میں محفوظ تھے۔ برجستہ اور برمحل اشعار پڑھنے میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ عام طور پر جب وہ اشعار سناتے تو ان کے نکات اور محاسن کی نشان دہی بھی کرتے جاتے تھے۔ بے تکلف احباب اور یارانِ باصفا کی موجودگی میں اُن کا یہ ذوق اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ جاتا تھا۔ اس سلسلے میں عبدالرزاق کان پوری نے ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ موسمِ برسات میں کان پور تشریف لائے اور حاجی کفایت اللہ تاجرِ چوب لٹھ کے مہمان ہوئے۔ حاجی صاحب کا بنگلہ گنگا کے کنارے ہے۔ مجھے یاد فرمایا۔ میں دفتر سے اٹھ کر پانچ بجے حاضرِ خدمت ہوا۔ ارشاد ہوا کہ ایک کشتی کا بندو بست کرو۔ چند باذاق احباب ہمراہ ہوں اور کل شام کی چائے نوشی دریا میں ہو اور اگر کوئی اچھا قوّال مل جائے تو کیا کہنا ہے۔

میں نے اپنے دوست منشی محمد امین خاں تحصیل دار کانپور کے ذریعے کشتی کا انتظام کیا اور چند باذاق احباب کو خط لکھ کر جمع کیا۔ قوال تو نہ مل سکا، لیکن منشی رحمت اللہ رعدؔ وغیرہ دو تین اچھے شاعر اور زندہ دل احباب ساتھ تھے۔ کشتی بنگلے سے فاصلے پر لے جاکر بلندی سے چھوڑ دی گئی اور یہ طے پایا کہ جو اشعار پڑھے جائیں وہ حسبِ حال ہوں، یعنی کوئی شعر موسمِ برسات اور ابر و باد و برق و رعد کے تلازمے سے خالی نہ ہو، چنانچہ رعدؔ سے شاعری کا آغاز ہوا... تیس منٹ کے

www.taemeernews.com

بعد یکایک بارش شروع ہوگئی اور گنگا کا پانی بڑھنے لگا۔ مشاعرہ
بہ دستور گرم رہا اور جس قدر اشعار پڑھے گئے، وہ فارسی میں
تھے ... مولانا نے جس قدر اشعار پڑھے، ان میں کوئی ایسا
نہ تھا جو سمندر، دریا، ملاح، تلاطم کے الفاظ سے خالی ہو ...
بارہ بجے شب تک لطفِ صحبت رہا۔"

مولانا شبلی نے موسیقی کی باقاعدہ تحصیل و تکمیل تو نہ کی تھی، پھر بھی وہ اس فن سے اس حد تک واقف تھے کہ صحیح و سقیم کی تمیز بہ آسانی کر لیتے تھے۔ وہ اپنے ایک خط میں خود لکھتے ہیں:

"گانا میں خود نہیں جانتا، لیکن سمجھ سکتا ہوں، یعنی جو گانا
خلافِ فنِ موسیقی ہوگا، میں بتا سکوں گا کہ خلافِ قاعدہ ہے۔ بمبئی
میں اس فن کو مطلق نہیں جانتے، یہاں تک کہ جن کا یہ پیشہ ہے،
وہ بھی محض جاہل ہیں۔"

علم کا شوق اور مطالعے کی وسعت

علم کی محبت مولانا شبلی کی رگ و پے میں رچی بسی ہوئی تھی۔ وہ مطالعے کے شوقین نہیں، بلکہ حریص تھے۔ ان کا زیادہ وقت کتابوں کی ورق گردانی میں گزرتا تھا۔ ادبیات، اسلامیات، فلسفہ، تاریخ اور فنونِ لطیفہ وغیرہ موضوعات سے متعلق اکثر کتابیں ان کی نظر سے گزر چکی تھیں۔ مطبوعات کے علاوہ مخطوطات سے بھی استفادہ کرتے رہتے تھے۔ ان کی کوئی مجلس علمی تذکروں سے خالی نہ ہوتی۔ مصنفین اور تصانیف کے مرتبے اور حیثیت سے بہ خوبی واقف

www.taemeernews.com

تھے۔ اُن کا شریکِ گفتگو خواہ کسی سطح یا درجے کا ہو، اُن کی گفتگو سے محظوظ بھی ہوتا اور مرعوب بھی۔

زورِ بیان اور قوتِ استدلال

پیرایۂ بیان کی دل نشینی اور طرزِ ادا کی رعنائی میں بھی مولانا شبلی کا کوئی جواب نہ تھا۔ اُن کے مخالفین بھی اس بات کے معترف رہا کرتے تھے کہ وہ اپنی گفتگو سے مخاطب کو بہت جلد اپنا ہم نوا بنا لیتے ہیں۔ وہ جہاں بھی موجود ہوتے، گل افشانیِ گفتار کی وجہ سے میرِ مجلس بنے رہتے۔ مقدمات کی تمہید، دلائل کی ترتیب اور مطلوب و مدعا کی تعبیر پر انھیں غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ ان کے ایک دوست مولانا سیّد عبدالحئی حسنی نے لکھا ہے کہ اُن کا اندازِ بیان بالعموم اس طرح کا ہوتا، گویا مخاطب اُن کا ہم نوا نہیں ہے، لہٰذا عرضِ مطلب کے ساتھ ساتھ وہ دلائل بھی پیش کرتے جاتے، تاکہ سامع کے لیے قائل ہوئے بغیر کوئی چارہ نہ رہ جائے، حالاں کہ کبھی کبھی اُن کے دلائل کم زور بھی ہوتے تھے، یا اُن کا نقطۂ نظر خود مخاطب ہی سے ماخوذ ہوتا تھا۔

ندوۃ العلما کی معتمدی کے زمانے میں ایک بار اُن کے مخالف ممبران نے اُنھیں برطرف کرانے کے لیے ایک جلسہ طلب کیا۔ کارروائی شروع ہونے لگی تو انھوں نے ممبران کو مخاطب کرکے سوال کیا کہ یہ جلسۂ خاص ہے یا جلسۂ انتظامیہ؟ کسی نے جواب دیا کہ جلسۂ خاص۔ انھوں نے کہا کہ ندوۃ العلماء کے دستور میں جلسۂ خاص کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ انتظامیہ نے اسے کسی

www.taemeernews.com

خاص مقصد کے لیے تاریخ متعین کر کے طلب کیا ہو، نیز ملک کے سربرآوردہ حضرات کو شرکت کی دعوت بھی دی ہو۔ یہاں تمام شرطیں مفقود ہیں۔ اس پر بعض لوگوں نے کہا کہ اچھا ہم اسے جلسۂ انتظامیہ بنا دیتے ہیں۔ مولانا شبلی نے کہا کہ جلسۂ انتظامیہ کے لیے ضروری ہے کہ اس کے انعقاد سے پندرہ دن پہلے ممبران کو اس کی تحریری اطلاع بھیجی گئی ہو۔ یہاں ایسی کوئی اطلاع نہیں ہے۔ ان اعتراضات پر سب دم بخود رہ گئے اور مجمع منتشر ہو گیا۔

www.taemeernews.com

کارنامے

مولانا شبلی اردو زبان کے بلند پایہ مصنفین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کی تصانیف ہماری زبان کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ان کی نثر عالمانہ، متین اور شگفتہ ہوتی ہے۔ موضوع کے لحاظ سے ان کی تحریریں تاریخ، سوانح، سیرت اور علم کلام کے ذیل میں آتی ہیں۔ شاعری اور تنقیدی نگارشات ان کے علاوہ ہیں۔ آئندہ صفحات میں الگ الگ عنوانات کے تحت ہم ان کے کارناموں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

تاریخ نگاری

یوں تو تصنیف و تالیف کا ذوق مولانا شبلی میں ابتدا ہی سے موجود تھا۔ اور تعلیم سے فراغت کے بعد اور علی گڑھ کی ملازمت سے پہلے ہی ان کے بعض رسالے اور کتابچے منظرِ عام پر آچکے تھے، لیکن موضوع یا اسلوب کے لحاظ سے ان میں کوئی جدّت و ندرت نہ تھی۔ اندازِ بیان مناظرانہ تھا اور موضوع بھی بعض مختلف فیہ فقہی مباحث تھے۔ اسی لیے ان کتابچوں اور رسالوں کے مصنف کی حیثیت سے مولانا کو کوئی قابلِ ذکر شہرت و مقبولیت بھی حاصل

www.taemeernews.com

نہیں ہوئی۔ البتہ علی گڑھ پہنچنے کے بعد جب انھوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا اور تاریخ سے متعلق ان کی تحریریں منظرِ عام پر آنا شروع ہوئیں تو علمی حلقوں میں وہ بہت جلد متعارف، مقبول اور ہر دل عزیز ہو گئے۔ تاریخ کی طرف مولانا شبلی کے متوجہ ہونے کا سبب سرسیّد کا کتب خانہ بنا، جو طبقات، تراجم، تاریخ اور جغرافیہ وغیرہ کے موضوعات سے متعلق صدہا بلند پایہ عربی و فارسی تصانیف کا گنجینہ تھا۔ اس کے علاوہ اس میں جدید یورپین مورخین کی بعض کتابوں کے اردو تراجم بھی موجود تھے۔ مولانا نے دونوں طرح کی کتابوں کا بڑے ذوق و شوق سے مطالعہ کیا، چنانچہ خود ان کا بیان ہے:

> "سرسیّد نے مجھے اپنے کتب خانے کی کتابوں کے دیکھنے کی عام اجازت دے دی تھی تو میرا یہ حال تھا کہ الماریوں کے سامنے گھنٹوں کھڑا رہتا۔ کبھی تھک کر زمین پر اکڑوں بیٹھ جاتا۔ سرسیّد نے جو یہ کیفیت دیکھی تو سامنے کرسی رکھوادی۔"

اس مطالعے کے نتیجے میں ایک طرف انھیں مسلمانوں کی علمی و ادبی اور ملکی و سیاسی فتوحات کی تفصیلات سے آگاہی حاصل ہوئی اور اپنے ماضی پر فخر و خود اعتمادی کا احساس پیدا ہوا۔ دوسری جانب یورپین مصنفین کی تصانیف نے انھیں یہ سکھایا کہ دورِ جدید میں تصنیف و تالیف کا رنگ و آہنگ کیا ہونا چاہیئے؟ کسی قوم کی علمی و فکری اور تہذیبی و تمدنی تاریخ کس طرح ترتیب دی جانی چاہیئے؟ وغیرہ۔ چنانچہ اب انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ شروع کیا کہ وہ اس کے درخشاں پہلوؤں کو جدید قالب میں ڈھال کر دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔

www.taemeernews.com

اوّل اوّل انھیں خیال آیا کہ تمام اسلامی حکومتوں کی تاریخ لکھیں۔ بعد میں یہ منصوبہ "تاریخ بنی عباس" میں تبدیل ہوا۔ پھر سمٹ سمٹا کر "ہیروز آف اسلام" کی شکل میں محدود ہوگیا۔ اس دوران انھوں نے عہد عباسی کی تاریخ پر اگرچہ بعض مسودات بھی تیار کرلیے' لیکن درحقیقت ان کی زیادہ تر توجّہ کتب بینی کی جانب ہی مبذول رہی۔ کم وبیش پانچ سال کے مسلسل مطالعے کے بعد جدید معیار و مذاق کے مطابق ان کی پہلی قابل ذکر تحریر" مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم" کے نام سے منظرِ عام پر آئی۔ ذیل میں اس کے بارے میں مختصراً اظہارِ خیال کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم

مولانا شبلی نے یہ مقالہ سرسیّد کی تحریک پر' محمڈن ایجوکیشنل کانگرس کے سالانہ اجلاس' منعقدہ دسمبر ۱۸۸۷ء کے لیے لکھا تھا اور اسے خوب تر بنانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی تھی' اس لیے عام طور پر پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ بہ قول مولانا سید سلیمان ندوی اسی مطلع سے مولانا کی شہرت کا آفتاب پہلی دفعہ طلوع ہوا۔

مقالے کی خوبیوں کا اندازہ تو اس کے مطالعے ہی سے لگایا جاسکتا ہے لیکن ہم آئندہ سطور میں اس کے ذیلی عنوانات نقل کیے دیتے ہیں' تاکہ اس کے مباحث کا ایک اجمالی خاکہ ذہن میں آجائے:

قرآن نے عرب کے فن انشا پر کیا اثر پیدا کیا؟ فقہ' فرائض' قصص' علم کلام' حدیث' علم الرجال' علم الدرایہ' علم نحو' عہد صحابہ کے علما'

www.taemeernews.com

تصنیف و تدوین شروع ہوئی، علم بیان، علم کلام، الہیات اور قرآن، مسلمانوں نے دوسری قوموں سے کیا سیکھا؟، فلسفۂ یونان کے مترجمین اکثر عیسائی تھے، ترجمے، مختلف عہدوں کی کوششیں، منصور عباسی کا عہد، ہارون الرشید کا عہد، مامون الرشید کا عہد، متوکل باللہ، مترجموں کی تنخواہیں، فلسفہ اور طب کے سوا اور علوم کے ترجمے کیوں نہیں ہوئے؟ ترجموں کی صحت اور غلطی، مسلمانوں نے ترجمے کا کام دوسروں سے کیوں لیا؟ مدرسوں کی ابتدا، نظامیہ بغداد، بغداد کے مدرسے، صلاح الدین و نورالدین کا عہد، صلاح الدین کے عہد میں علما کی تنخواہیں، دولتِ صلاحیہ، خاندانِ نوریہ، چراکسہ کے عہد میں مدرسوں کی ترقی، ابن الناصر کا مدرسہ جس کی تعمیر میں چودہ لاکھ روپے صرف ہوئے، ہندوستان، مدرسہ حربیہ، یورپ میں اسلامی مدرسے، قدیم تعلیم، طرزِ تعلیم، اعلا تعلیم کے شرائط، مجالسِ مناظرہ، مدرسوں کا زمانہ، املا کا طریقہ جاتا رہا، مدرسوں کا مذہبی اثر، تنزلِ تعلیم کے اسباب، ملکی خصوصیتیں، انقلاباتِ حکومت کا اثر، پولٹیکل تعلیم نہیں تھی۔

مقالے کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ مولانا شبلی کی تصنیفی صلاحیتیں پہلی بار اس مقالے میں پوری قوت و توانائی کے ساتھ جلوہ گر ہوئی ہیں۔ تلاش و جستجو کی کیفیت سطر سطر سے نمایاں ہے۔ تاریخ و جغرافیہ، طبقات و تراجم، اور تاریخ علوم و فنون سے متعلق تقریباً تین درجن کتابوں کے حوالے اس میں موجود ہیں۔ یورپین مصنفین کی کتابوں کے حوالے اور اقتباسات بھی جا بجا اس میں ملتے ہیں۔ اس مقالے سے متاثر ہوکر

www.taemeernews.com

عبدالحلیم شرر نے ایک طویل تبصرہ لکھا تھا، جس کا اختتام ان سطروں پر ہوتا ہے :

" مولوی شبلی صاحب نے اس کتاب کے ذریعے اپنا دیکھا ہوا ایک دل فریب خواب ہمیں دکھلا دیا ہے اور ہم اس درجہ محو ہو رہے ہیں کہ گھڑی گھڑی وجد میں آکر چاہتے ہیں کہ یہ خواب اپنی قوم کو بھی دکھا دیں۔"

الجزیہ

مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم، کے بعد، مولانا شبلی کا یہ دوسرا معرکہ آرا تاریخی مقالہ ہے، جو ۱۸۸۸ء کے اواخر یا ۱۸۸۹ء کے اوائل میں منظرِ عام پر آیا۔ بہ حیثیت مجموعی اسے اوّل الذکر مقالے سے بھی زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ سرسید احمد خاں نے اس سے متاثر ہو کر، علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، میں یہ الفاظ تحریر کیے۔

" اگر وہ نعوذ باللہ اپنے رسالہ، الجزیہ، کی نسبت مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہ کہیں کہ " فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ " تو کچھ تعجب نہ ہوگا۔ جزیہ کا ایسا بے جا اور غلط الزام اسلام پر تھا، جس کا آج تک کسی نے ایسی عمدگی سے حل نہیں کیا تھا۔"

مولانا نے اس مقالے میں لفظ، جزیہ، کی اصل اور ماخذ سے بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ عربی الاصل نہیں، بلکہ فارسی لفظ، گزیہ، کا معرب ہے۔ پھر اس کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ دراصل ایک

www.taemeernews.com

ٹیکس تھا، جو نوشیروان نے اہلِ فوج کی کفالت کے لیے عام آبادی پر عائد کیا تھا۔ اس کے بر خلاف غیر مسلم اس خدمت کے لیے مجبور نہیں کیے جاسکتے تھے. خلاصہ یہ کہ جزیہ غیر مسلم رعایا کی حفاظت کا تاوان تھا۔ ان کے غیر مسلم اور کافر ہونے کا تاوان نہ تھا۔

کتب خانۂ اسکندریہ

یورپین مصنفین کی تصانیف نے جہاں مولانا شبلی کو جدید تاریخ نویسی کے اصول و آداب سکھائے۔ وہیں ان کے متعصبانہ اندازِ فکر اور جارحانہ بیانات نے ان میں یہ احساس بھی پیدا کیا کہ عیسائی مصنفین، یورپین ہوں یا عرب، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تعصب کی آگ ہمیشہ سینوں میں دبی رکھتے ہیں۔ اس لیے جہاں انھوں نے مسلمانوں کی علمی و تہذیبی فتوحات کی مرقع کشی کو اپنی تصانیف کا موضوع بنایا، وہیں ان پر عائد کیے گئے الزامات و اعتراضات کے دفعیے اور ازالے کی جانب بھی بھرپور توجہ کی۔ "کتب خانۂ اسکندریہ" بھی اسی سلسلے کا ایک محققانہ مقالہ ہے، جس میں انھوں نے مسلمانوں پر اس کتب خانے کے جلائے جانے کے الزام کی تردید کی ہے۔ مختلف وجوہ کی بنا پر مولانا کے تاریخی مقالوں کے درمیان اسے شاہکار کا درجہ حاصل ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ موضوعِ زیرِ بحث سے متعلق یورپین مصنفین کی تمام قابلِ ذکر تحریریں، جو جرمن، فرنچ یا انگلش میں تھیں ایک ایک کر کے ان کی نگاہ سے گزر چکی تھیں۔ اس لیے فریقِ مخالف کے دعووں کی تردید اور اپنے مدعا کے اثبات میں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، اس کی سطر سطر سے ایک خاص طرح کا اعتماد جھلکتا ہے اور جیسے جیسے آگے بڑھتے جائیے

www.taemeernews.com

صاف محسوس ہوتا ہے کہ حریف کے بلند بانگ دعووں کے بادل چھٹتے جاتے ہیں اور اس کے دلائل کی بنیادیں بیٹھتی جاتی ہیں۔ شبلی جو بنیادی طور پر عربی و فارسی کے عالم تھے، ان کے قلم سے جرمن، فرنچ اور انگلش مصنفین و تصانیف کے حوالے خصوصیت کے ساتھ مرعوب کن نظر آتے ہیں۔

مضمونِ زیرِ بحث کی اہمیت کا دوسرا سبب یہ ہے کہ تاریخی واقعات کی تحقیق و تفتیش کے سلسلے میں اصولِ روایت و درایت کا استعمال مولانا شبلی نے پہلی بار اسی مقالے میں کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دل نشین مقدمات کی تمہید اور ٹھوس دلائل کی ترتیب نیز سادہ و شگفتہ نثر نے اس کی دل کشی اور تاثیر میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

ان تاریخی و تحقیقی مقالات کے علاوہ انھوں نے 'الفاروق' اور 'المامون' میں متعلقہ عہد کی تہذیبی و تمدنی تاریخ بھی نہایت کامیابی کے ساتھ قلم بند کی ہے، جس کی مثال ان کتابوں سے پہلے اردو میں اور کہیں نہیں ملتی۔ علوم و فنون کی تاریخ نگاری کا رواج بھی اردو میں مولانا شبلی نے ہی ڈالا ہے۔ چنانچہ 'علم الکلام' میں انھوں نے اس علم کے عہد بہ عہد ارتقا کی تاریخ بیان کی ہے۔

سوانح نگاری

مولانا شبلی نے تاریخ کی طرح سوانح کے میدان میں بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ وہ حالی کے بعد اردو کے دوسرے بلند پایہ سوانح نگار مانے جاتے ہیں۔ سوانحی شعور اگرچہ حالی میں زیادہ ہے، لیکن اس میں

www.taemeernews.com

کوئی شبہ نہیں کہ تحقیق و تدقیق، جزئیات نگاری، کثرتِ معلومات، حسنِ انتخاب اور زبان و بیان کی شگفتگی و دل آویزی کے لحاظ سے شبلی، حالی کی بہ نسبت زیادہ بہتر سوانح نگار ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی اہم اور قابلِ ذکر ہے کہ اردو سوانح نگاری کے لیے شبلی کا قائم کردہ ڈھانچہ آج بھی معیاری اور مثالی مانا جاتا ہے۔ آئندہ صفحات میں مولانا شبلی کی سوانح عمریوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

المامون

یہ مولانا کی پہلی باقاعدہ تصنیف ہے، جو ۱۸۸۸ء میں منظرِ عام پر آئی۔ کہنے کو یہ مشہور عباسی خلیفہ مامون رشید کی سوانح عمری ہے، لیکن درحقیقت یہ صرف سوانح عمری نہیں، بلکہ متعلقہ عہد کی تہذیبی و تمدنی تاریخ بھی ہے۔ اس کتاب کے انھوں نے دو حصے کر دیئے ہیں۔ پہلے حصے میں انھوں نے اختصار کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ اسلام میں خلافت کا سلسلہ کیوں کر قائم ہوا؟ اور پھر یہ سلسلہ خاندانِ بنوامیہ سے گزر کر خاندانِ بنوعباس تک کس طرح پہنچا؟ اور پھر کن اسباب و حالات کے نتیجے میں ہارون رشید کا ایک بیٹا امین مقتول ہوا اور دوسرا مامون خلیفۂ وقت قرار پایا؟ دوسرے حصے میں سلطنت کے انتظام، مملکت کی آمدنی، فوجی انتظام، عدالت اور اس سے متعلق جزئیات وغیرہ جہاں جہاں سے ملیں، چُن چُن کر ایک جگہ جمع کر دی ہیں۔ اس کے علاوہ اس حصے میں مامون رشید کی نجی زندگی، اس کے عادات و خصائل، اس کی مجلسوں اور مشغلوں، نیز اس دور کی طرزِ معاشرت

www.taemeernews.com

اور زندگی کا نقشہ بھی کھینچ کر رکھ دیا ہے۔

اردو میں یہ اپنے طرز کی پہلی سوانح عمری تھی، جس میں جدید معیار و مذاق کے مطابق تاریخی و سوانحی عناصر یک جا کرکے پیش کیے گئے تھے۔ اس لیے ملک میں اسے نہایت قبولیت حاصل ہوئی۔ محض تین ماہ کے مختصر عرصے میں اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا۔ بعض قدردانوں نے بہ یک وقت اس کے پچاس نسخے خریدے۔ خود مولانا شبلی کا شمار، اس کی اشاعت کے بعد، اردو کے صفِ اوّل کے مصنفین میں کیا جانے لگا۔

سیرۃ النعمان

مولانا شبلی فقہی جزئیات میں امام ابوحنیفہ کے مسلک کے پیرو تھے۔ انھیں زمانۂ طالب علمی ہی سے امام صاحب کی شخصیت سے محبت و عقیدت بھی تھی، چنانچہ 'نعمانی' کی نسبت بھی اسی عقیدت کا ایک مظہر تھی۔ اس لیے 'المامون' سے فارغ ہوکر انھوں نے امام صاحب موصوف کی سوانح حیات پر یہ کتاب تیار کی۔ 'المامون' کی طرح اس کے بھی دو حصّے ہیں۔ پہلے حصے میں امام صاحب کے حالاتِ زندگی ہیں۔ دوسرے حصّے میں علم العقائد، حدیث اور فقہ وغیرہ سے ان کے اشتغال پر روشنی ڈالی گئی ہے، نیز ان علوم و فنون کے تعلق سے ان کے نظریات بھی مختصراً بیان کردیئے گئے ہیں۔ پھر دوسرے ائمۂ مجتہدین کی فقہ کے تقابلی مطالعے کی روشنی میں فقہِ حنفی کے امتیازات بیان کیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں فقہِ اسلامی کے 'رومن لا' (ROMAN LAW) سے ماخوذ ہونے کے نظریے کی تردید بھی کردی گئی ہے۔ کتاب کا آخری حصّہ

www.taemeernews.com

امام صاحب کے نامور تلامذہ کے تذکرہ و تعارف پر مشتمل ہے۔

'سیرۃ النعمان' کا پہلا حصّہ ۱۸۸۹ء میں اور دوسرا ۱۸۹۰ء میں لکھا گیا تھا' البتہ اس کی طباعت کی نوبت ۱۸۹۱ء کے اواخر میں آئی۔ اس کی اشاعت کے بعد مولانا حالی نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں' اس پر ایک گراں قدر تبصرہ تحریر کیا تھا' جس کے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں:

"مولانا کی چند بیش بہا تصنیفیں اس سے پہلے چھپ کر شائع ہو چکی ہیں' جیسے' مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم' مامون رشید کی سوانح عمری' رسالہ جزیہ' انھوں نے اپنی ہر ایک پہلی تصنیف میں' جس بلندی پر (اپنے) آپ کو دکھایا ہے' اس کے بعد کی تصنیف میں' ان کی لیاقت اور روشن دماغی' اس سے بلند تر منظر پر جلوہ گر ہوئی ہے اور جہاں تک میری نگاہ پہنچتی ہے' میں 'سیرۃ النعمان' کو ان سب سے اعلا منظر پہ پاتا ہوں۔"

"سیرۃ النعمان کے مصنف کو شاید پہلے حصے کی ترتیب میں جو امام موصوف کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے' ایک آدھ کتاب سے' جو تصنیف کے وقت ان کے پاس موجود تھی' کچھ مدد ملی ہو تو ملی ہو' لیکن دوسرا حصّہ' جس میں امام صاحب کے طرزِ اجتہاد اور اصولِ استنباط سے بحث کی ہے' اس کی ترتیب میں یقیناً ان کو اپنے مذاق اور سلیقے سے کام لینا پڑا ہے اور جہاں تک ہم دیکھتے ہیں' دونوں حصّوں میں حسنِ ترتیب کا حق پورا پورا ادا ہوا ہے۔"

www.taemeernews.com

الفاروق

یہ حضرت عمر فاروقؓ کی نہایت مستند، مفصل اور مکمل سوانح حیات ہے۔ مولانا شبلی کی تمام تصانیف میں اسے 'بیتُ الغزل' کا درجہ حاصل ہے۔ حضرت عمرؓ کی سوانح پر عربی، فارسی اور اردو میں، اس کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن 'الفاروق' ان سب پر بھاری ہے۔

اس کتاب کا آغاز ایک مقدمے سے ہوتا ہے، جس میں اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار، ان کی خصوصیات اور مورخ کے فرائض وغیرہ سے بحث کی گئی ہے، نیز یورپین مورخوں کی بے اعتدالیوں وغیرہ کا بھی بیان کیا گیا ہے۔

مقدمے کے بعد اپنی دوسری سوانح عمریوں کی طرح مولانا نے اس کتاب کے بھی دو حصے کر دیے ہیں۔ حصہ اوّل میں حضرت عمرؓ کے نسب، ولادت، سنِ رشد، قبولِ اسلام اور ہجرت وغیرہ سے لے کر خلافتِ اسلامیہ کے لیے ان کے انتخاب، پھر ان کے عہد کی فتوحات تک کا بیان ہے۔

حصۂ دوم کے آغاز میں مصنف نے اولاً عہدِ فاروقی کی فتوحات پر ایک نظر ڈالتے ہوئے، اسباب فتوحات سے متعلق بحث کی ہے۔ پھر سلسلۂ انتظامِ سلطنت کو شروع کیا ہے، اس سلسلے میں سب سے پہلے حکومت کی نوعیت کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ جمہوریت سے قریب تر تھی۔ اس کے بعد ملک کی تقسیم، ملکی عہدے داروں، ان کی تنخواہوں، ان کے فرائض اور انسدادِ رشوت کے طریقوں سے متعلق دل چسپ معلومات فراہم کی ہیں۔

www.taemeernews.com

نظامِ حکومت کے بعد صیغۂ محاصل کی تفصیلات کا بیان ہے۔ پھر عہدِ فاروقی کے محکمۂ عدالت کی جزئیات کا دل چسپ مرقع پیش کیا ہے۔ اس کے بعد بالترتیب افتا، پولیس اور فوج داری کے محکموں کا ذکر ہے۔ پھر محکمۂ مالیات، پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ اور محکمۂ دفاع سے متعلق تفصیلات قلم بند کی ہیں۔

انتظامِ سلطنت کے بعد حضرت عمرؓ کی امامت اور اجتہاد سے متعلق نہایت عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے۔ پھر ان کے ذاتی حالات، عادات و خصائل، زہد و تقویٰ، تواضع و انکسار اور اعمال و عبادات وغیرہ کا بیان کیا ہے۔ ان سب کے آخر میں اہل و عیال کا ذکر ہے اور اسی پر کتاب ختم ہو جاتی ہے۔

مولانا شبلی کی دوسری سوانح عمریوں کی طرح 'الفاروق' میں بھی تاریخی اور سوانحی عناصر یک جا ہو گئے ہیں، کیوں کہ مصنف نے یہاں بھی صاحبِ سوانح کے حالاتِ زندگی کے ساتھ ساتھ متعلقہ عہد کی تاریخ نویسی کو اپنا مطمحِ نظر قرار دیا ہے۔ 'الفاروق' ۱۸۹۸ء میں مکمل ہوئی اور ۱۸۹۹ء میں چھپ کر منظرِ عام پر آئی۔

الغزالی

مولانا شبلی نے یہ کتاب حیدر آباد کی ملازمت کے زمانے میں ۱۹۰۱ء میں تصنیف کی۔ اس کتاب میں امام غزالی کے سوانح اور ان کے نظریات و افکار پر روشنی ڈالی گئی ہے، لیکن سوانحی عناصر اس میں بہت کم ہیں۔ محض تیس صفحات میں امام غزالی کے حالاتِ زندگی بیان کر دیئے گئے ہیں۔

www.taemeernews.com

کتاب کا بقیہ حصّہ متکلم، فلسفی اور معلمِ اخلاق غزالی کے تعارف پر مشتمل ہے۔

سوانحِ مولانا رُوم

یہ کتاب بھی زمانۂ قیام حیدرآباد کی تصنیف ہے۔ اس میں بھی حالاتِ زندگی کا حصّہ بہت کم ہے۔ زیادہ تر مثنوی مولانا روم سے کلامی مسائل کا استنباط کیا گیا ہے۔ اس کا سنہ تصنیف ۱۹۰۴ء اور سنہ اشاعت ۱۹۰۶ء ہے۔

سیرت نگاری

لغت کے لحاظ سے 'سیرت' اور 'سوانح' ہم معنی ہیں، لیکن عربی، فارسی اور اردو میں خصوصیت کے ساتھ اس کا استعمال پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانحی عمری پر بھی کیا جاتا ہے۔ ہم بھی اس لفظ کو یہاں اسی آخری معنی میں استعمال کر رہے ہیں۔ مولانا شبلی نے جہاں 'المامون'، 'الفاروق' اور 'الغزالی' وغیرہ کی شکل میں عام انسانوں کی سوانح عمریاں لکھی ہیں، وہیں انھوں نے سیرت کے موضوع پر بھی "سیرۃ النبی" کے نام سے ایک تصنیف یادگار چھوڑی ہے۔ ذیل میں اس کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

www.taemeernews.com

سیرۃ النبیؐ

یہ مولانا شبلی کی سب سے آخری تصنیف ہے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ اسے کئی حصّوں میں پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ حالاتِ زندگی کا حصّہ تقریباً لکھ چکے تھے کہ ان کا وقتِ موعود آپہنچا اور وہ اس دنیا سے چل بسے۔ پھر بھی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اپنی ناتمام حالت میں بھی سوانح عمری کی حد تک یہ ایک مکمل تصنیف ہے۔

'سیرۃ النبیؐ' یورپین مصنفین کی تصانیفِ سیرت کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کے لکھنے کی ضرورت مولانا کو اس لیے پیش آئی کہ انیسویں صدی کے نصفِ ثانی میں جب یورپین مصنفین کی سیرت سے متعلق تصانیف عام ہونے لگیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شخصیت کے بارے میں مسلمانوں کا نوجوان طبقہ طرح طرح کے شکوک وشبہات کا شکار ہونے لگا۔ اس لیے ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس ہوئی، جس میں متذکرہ بالا شکوک وشبہات کا تشفی بخش جواب موجود ہو۔

یوں تو سرسیّد احمد خاں کی "خطباتِ احمدیہ" اور قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی "رحمۃ اللعالمین" کا موضوع اور مقصدِ تصنیف بھی وہی ہے جو شبلی کی 'سیرۃ النبیؐ' کا ہے اور تاریخی ترتیب کے لحاظ سے بھی اول الذکر دونوں کتابوں کا نام پہلے آتا ہے، لیکن جہاں تک جدید ذہن کو مطمئن کرنے اور ان کے قلبِ بیمار کو تسکین وتشفی بخشنے کا تعلق ہے 'سیرۃ النبیؐ'

www.taemeernews.com

کا درجہ ان دونوں سے بڑھا ہوا ہے۔ اس کی کئی وجہیں ہیں؛ ایک تو یہ کہ مولانا شبلی کو معترضین کے اعتراضات و اشکالات اور ان کے منشارو اسباب کے متعلق نہایت وسیع معلومات حاصل تھیں۔ دوسرے وہ اپنے بیانات کو اس قدر مدلّل اور مستحکم طریقے سے پیش کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو مجالِ انکار باقی نہیں رہ جاتی۔ تیسری اور آخری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے معاصر سیرت نگاروں کے بالمقابل کہیں زیادہ بہتر ادیب و انشاپرداز ہیں، اس لیے زبان و بیان کے حسن اور عبارتوں کی دل کشی و دل آویزی کے ذریعے پڑھنے والے کے دل و دماغ پر چھا جاتے ہیں۔

علمِ کلام

علمِ کلام وہ علم ہے، جس میں مذہبی عقائد، عقلی دلائل کے ذریعے ثابت کیے جاتے ہیں، یا یوں کہیے کہ مذہبی عقائد کے اثبات کے لیے عقلی پیرایۂ بیان اختیار کیا جاتا ہے۔ مولانا شبلی نے علمِ کلام کے میدان میں بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ وہ انیسویں صدی عیسوی کے نصفِ ثانی کی پیداوار ہیں۔ اس زمانے میں یورپ کی سیاسی و تہذیبی بالادستی کی بنا پر مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنے مذہبی عقائد کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہوگیا تھا۔ بالخصوص مابعدالطبیعاتی عقائد مثلاً توحید، رسالت، جنّت، دوزخ اور قیامت وغیرہ پر اس کا ایمان برائے نام رہ گیا تھا۔ اس لیے مولانا شبلی نے اس طرف بھی توجہ کی اور علم کلام سے متعلق کئی

www.taemeernews.com

کتابیں لکھیں، جن میں "علم الکلام" اور "الکلام" خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

علم الکلام

اس کتاب کا موضوع خود علم کلام نہیں، بلکہ اس کی تاریخ ہے۔ اس میں مولانا نے علمِ کلام کے آغاز، اس کے نشوونما کے اسباب اور عہد بہ عہد ارتقا وغیرہ کا جائزہ لیا ہے۔ متکلمین کی مختلف جماعتوں مثلاً معتزلہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ کے معتقدات و نظریات اور ان کے باہمی فرق کو بھی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ مشہور متکلمین کے جستہ جستہ حالات و واقعات بھی سلیقے کے ساتھ جمع کر دیئے ہیں۔

اس کتاب میں سب سے پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام میں عقائد کا اختلاف کیوں کر رونما ہوا؟ پھر پانچویں صدی ہجری تک کے عرصے میں علمِ کلام کی تدوین، ترویج اور مخالفت نیز اس کے عروج و زوال کی داستان بیان کردی گئی ہے۔ اس کے بعد اشاعرہ کے علم کلام کی تفصیلات نیز اشعری متکلمین میں امام غزالی اور امام رازی کی تصانیف اور کارناموں کا تذکرہ ہے۔ اگلے حصے میں ابن رُشد، ابنِ تیمیہ اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے علم کلام سے متعلق کاموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ایک مستقل باب میں متکلمین کے علاوہ حکمائے اسلام میں فارابی، ابن سینا، ابن مسکویہ اور شیخ الاشراق کے نظریات و افکار سے بھی بحث کی گئی ہے۔ آخر میں علم کلام پر ایک اجمالی تبصرہ ہے اور اسی پر کتاب ختم ہو جاتی ہے۔

www.taemeernews.com

اس کتاب کے بارے میں یہ کہنا غلط نہیں کہ تاریخ علم کلام کے سلسلے میں جو معلومات اس میں فراہم کر دی گئی ہیں، اردو میں اس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ لہٰذا اس حیثیت سے اسے ایک ماخذ کا درجہ حاصل ہے۔ ساتھ ہی اس کتاب کا یہ وصف بھی قابلِ ذکر ہے کہ مباحث کے دقیق اور فلسفیانہ ہونے کے باوجود، اس کی زبان نہایت شگفتہ، سلیس اور رواں دواں ہے۔ ذیل میں اس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو، پانچویں صدی ہجری میں ترکوں کی فتوحات کے بعد علمِ کلام اور علومِ عقلیہ کے زوال کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ترک اپنے زور و قوت کی وجہ سے تمام عالم پر چھا گئے، لیکن جس قدر ان کے دست و بازو قوی تھے، اسی قدر دل و دماغ ضعیف تھا۔ مذہبی علوم سے وہ بالکل عاری تھے اور اس وجہ سے حکومت میں مذہب کا جو حصہ ملا ہوا تھا، اس سے ان کو دست بردار ہونا پڑا۔ وہ نہ امامت کر سکتے تھے، نہ خطبہ دے سکتے تھے، نہ کسی مسئلے پر رائے قائم کر سکتے تھے۔ اس بنا پر مذہبی حکومت فقہا کے ہاتھ آ گئی۔ یا یہ حالت تھی کہ خلقِ قرآن کے مسئلے پر مامون الرشید نے تمام علما کو مناظرے کی دعوت دی اور شرط کی کہ کوئی شخص مجھ کو معقول کر دے تو میں اپنے عقیدے سے باز آ جاؤں۔ یا یہ حالت ہوئی کہ محمود غزنوی نے جب تحقیقِ حق کے لیے حنفیہ اور شافعیہ میں مناظرہ کرایا تو ثالثی کے لیے ایک عربی داں عیسائی کو طلب کرنا پڑا۔ غرض ترکوں کا زور پکڑنا تھا کہ علم الکلام میں

www.taemeernews.com

ضعف آگیا۔ خیالات کی آزادی دفعتاً رک گئی اور عقلی روشنی
بالکل ماند پڑگئی۔"

علم الکلام کا سنہ تصنیف ۱۹۰۲ء ہے۔

الکلام

یہ کتاب ایک لحاظ سے سابق الذکر کتاب یعنی "علم الکلام" کا دوسرا حصہ ہے۔ پہلے حصے میں مولانا شبلی نے علم کلام کی تاریخ بیان کی تھی، اس حصے میں انھوں نے ایک نئے علم کلام کی بنیاد ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ دور جدید میں قدیم علم کلام مفید نہیں ہوسکتا، بلکہ نئے حالات اور نئے مسائل کے پیشِ نظر ایک نئے علم کلام کی ضرورت ہے۔ چنانچہ "الکلام" کے آغاز میں لکھتے ہیں:

"قدیم علمِ کلام میں صرف عقائدِ اسلام سے بحث ہوتی تھی، کیوں کہ اس زمانے میں مخالفین نے اسلام پر جو اعتراضات کیے تھے، عقائد ہی کے متعلق تھے، لیکن آج کل تاریخی، اخلاقی، تمدنی ہر حیثیت سے مذہب کو جانچا جاتا ہے۔ یورپ کے نزدیک کسی مذہب کے عقائد اس قدر قابلِ اعتراض نہیں، جس قدر اس کے قانونی اور اخلاقی مسائل ہیں۔ ان کے نزدیک تعدد نکاح، طلاق، غلامی، جہاد کا کسی مذہب میں جائز ہونا، اس مذہب کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس بنا پر علم کلام میں اس قسم کے مسائل سے بھی

www.taemeernews.com

بحث ہوگی اور یہ حصّہ بالکل نیا علم کلام ہوگا۔"

مولانا شبلی نے الکلام کو تین حصّوں پر منقسم کیا ہے' عقائد' عبادات اور اخلاق ان تینوں حصّوں میں عقائد کا حصّہ نسبتاً زیادہ مفصل ہے۔ اس میں توحید' رسالت' وحی' قیامت اور دوزخ و جنّت وغیرہ سے متعلق عقائد کو نئے عقلی دلائل کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ عقائد کے بالمقابل عبادات اور اخلاق سے متعلق مباحث بہت مختصر ہیں۔ یہ کتاب اس لحاظ سے نامکمل معلوم ہوتی ہے کہ مولانا شبلی نے اپنے وعدے کے برخلاف تعدد نکاح' طلاق' غلامی اور جہاد جیسے مسائل کے بارے میں پوری کتاب میں کہیں کچھ نہیں لکھا۔ 'الکلام' کا سنہ اشاعت ۱۹۰۴ء ہے۔

ادبی و تنقیدی تصانیف

موضوع کے لحاظ سے مولانا شبلی کی بیشتر تصانیف تاریخی' سوانحی اور کلامی ہیں' لیکن ایسا نہیں کہ ادبی موضوعات سے انھوں نے بالکلیہ بے توجہی برتی ہو۔ متفرق مضامین و مقالات سے قطع نظر ان کی دو مستقل تصانیف بھی خالصتاً ادبی ہیں۔ ایک 'موازنۂ انیس و دبیر' اور دوسرے "شعرالعجم"۔ آئندہ صفحات میں ان دونوں کا کسی قدر تفصیلی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

www.taemeernews.com

موازنۂ انیس و دبیر

اردو کے تدریسی حلقوں میں، مولانا شبلی کی تمام تصانیف کے درمیان، یہ کتاب سب سے زیادہ مقبول، مروج اور متداول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے اس تصنیف کے علاوہ، شبلی نے اصالتاً اور مستقلاً اردو شعر و سخن پر اور کہیں اظہار خیال نہیں کیا ہے۔ اس کتاب کے مقصد تصنیف پر روشنی ڈالتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے:

> "مدت سے ارادہ تھا کہ کسی ممتاز شاعر کے کلام پر تقریظ و تنقید لکھی جائے، جس سے اندازہ ہو سکے کہ اردو شاعری باوجود کم مائگی زبان کیا پایہ رکھتی ہے؟ اس غرض کے لیے میر انیس سے زیادہ کوئی شخص انتخاب کے لیے موزوں نہیں ہو سکتا تھا، کیوں کہ ان کے کلام میں شاعری کے جس قدر اصناف پائے جاتے ہیں، اور کسی کے کلام میں نہیں پائے جاتے۔"

موازنۂ انیس و دبیر کا آغاز ایک تمہید سے ہوتا ہے، جس میں پہلے شاعری اور معیار شعر کا مختصر بیان ہے، پھر اشخاص مرثیہ کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اس کے بعد مرثیہ گوئی کی اجمالی تاریخ بیان کی گئی ہے۔

تمہیدی حصے کے بعد میر انیس کی خصوصیات شاعری کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اس حصے میں فصاحت و بلاغت، روزمرہ محاورہ، تشبیہ و استعارہ اور مختلف صنائع و بدائع کی تعریف کرتے ہوئے، انھیں میر انیس کی

www.taemeernews.com

شاعری پر منطبق کیا گیا ہے۔ اس کے بعد محاکات، واقعہ نگاری، منظر نگاری، کردار نگاری وغیرہ عنوانات قائم کرکے مثال میں انیس کے مراثی کا بہترین انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ پھر سلام، رباعیات، اعتراضات اور سرقات سے متعلق مستقل ابواب ہیں۔ سب کے آخر میں انیس اور دبیر کے کلام کا موازنہ اور مقابلہ ہے اور اسی پر کتاب ختم ہو جاتی ہے۔

اردو تنقید کی تاریخ میں حالی کے "مقدمۂ شعر و شاعری" کی طرح 'موازنۂ انیس و دبیر' کی اہمیت بھی مسلّم ہے۔ ایک تو اس لیے کہ یہ اردو میں تقابلی تنقید کی پہلی مثال ہے۔ دوسرے اس لیے کہ اس کتاب کے ذریعے اردو میں پہلی بار کسی ایک شاعر کو موضوعِ تحسین بنا کر اس کے کلام پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے۔

میر انیس کا شمار اردو کے صفِ اوّل کے شعرا میں کیا جاتا ہے۔ اس تعلق سے اُن کے کلام پر نقد اور تبصرے کا سلسلہ برابر جاری ہے، لیکن یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مولانا شبلی نے 'موازنۂ انیس و دبیر' کے ذریعے ان کی عظمت کا جو نقش دلوں پر بٹھا دیا تھا، اس میں کوئی واضح تبدیلی اب تک رُونما نہیں ہو سکی ہے۔ بہ الفاظ دیگر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ انیس شناسی کی تمام کوششیں بنیادی طور پر مولانا کے قائم کردہ خطوط ہی کے اِرد گِرد گھومتی نظر آتی ہیں۔ منشی نوبت رائے نظر نے 'موازنہ' کی اشاعت کے بعد ۱۹۰۸ء میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

> "انیس کی قادرالکلامی گزشتہ نصف صدی سے آج تک ہر شخص کے دل نشین تھی، لیکن مولوی شبلی صاحب نے جس تفصیل کے ساتھ اس کی تشریح کی ہے، وہ انھیں کا حصّہ ہے۔"

www.taemeernews.com

'موازنۂ انیس و دبیر' جہاں ایک طرف داد و تحسین کا مستحق بنا، وہیں دوسری طرف اس پر تنقیدیں بھی بہ کثرت ہوئی ہیں۔ اس کے ناقدین میں ایک طرف تو وہ لوگ تھے، جو انیس کے مقابلے میں مرزا دبیر کی فوقیت و فضیلت کے قائل تھے، چنانچہ اس حلقے کی طرف سے 'موازنہ' کی تردید میں متعدد کتابیں، رسائل اور مضامین لکھے گئے۔ مثلاً 'المیزان'، 'ردالموازنہ' اور 'تنقید موازنہ' وغیرہ۔ دوسری طرف وہ حضرات تھے، جو دبیریے تو نہ تھے، لیکن انھیں اس کتاب میں متعدد خامیاں نظر آئیں۔ مثلاً یہ کہ اس میں موازنے کا حق ادا کرنے کے بجائے جانب داری سے کام لیا گیا ہے۔ مرثیہ گوئی کی تاریخ نہایت سرسری طور پر بیان کی گئی ہے۔ تفصیلی مباحث کے بجائے طویل مثالوں سے کتاب کی ضخامت بڑھانے کی کوشش کی گئی ہے، وغیرہ۔ یہ اعتراضات ایک حد تک بجا ہیں، پھر بھی اردو تنقید کے ارتقا میں 'موازنہ' کی حیثیت ایک سنگِ میل کی ہے۔ اس کتاب کا سنہ تصنیف ۱۹۰۴ء اور سنہ اشاعت ۱۹۰۶ء ہے۔

شعر العجم

یہ مولانا شبلی کی نہایت بلند پایہ اور معرکہ آرا ادبی تصنیف ہے۔ اس کی چار جلدیں مولانا کی حیات میں اور پانچویں ان کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔ اس کتاب کی علمی و ادبی حلقوں میں جس طرح پذیرائی کی گئی، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے پروفیسر نذیر احمد لکھتے ہیں:

" اس کتاب کو جس قدر مقبولیت ہوئی اور مولانا شبلی کو

www.taemeernews.com

جو شہرت حاصل ہوئی، اس کا اندازہ شاید مولانا کو بھی نہ رہا ہوگا۔ اس سے پہلے دو تین حصّوں کی تصنیف کو تقریباً ستّر سال ہوئے۔ اس درمیان فارسی کا وافر مواد جمع ہوا۔ جو مولانا کی دست رس میں نہ تھا، لیکن اس کے باوجود اب تک کوئی کتاب ان موضوعات پر، جس کا احاطہ شعرالعجم نے کیا ہے، شعرالعجم جیسی وجود میں نہیں آسکی ہے۔ مولانا شبلی کی یہ تصنیف ہنوز نقشِ اوّل کی حیثیت رکھتی ہے اور باوجود وسائل کی کمی کے ایسی کتاب مرتّب ہوئی، جو ستّر برس سے تاریخ شعروادبِ فارسی کے خطّے کی تنہا حکم راں ہے۔"

شعرالعجم کا موضوع فارسی شاعری کی تاریخ ہے۔ مولانا شبلی نے شعرائے فارسی کے قدما، متوسطین اور متاخرین کے نام سے تین ادوار قائم کیے ہیں اور ہر دور کے لیے ایک جلد خاص کردی ہے۔ چنانچہ پہلی جلد میں حقیقتِ شعر سے بحث کرتے ہوئے خاندانِ سامانیہ کے معاصر شعرا رودکی اور دقیقی پھر غزنوی عہد کے شعرا عنصری، فرخی، فردوسی، اسدی طوسی اور منوچہری کے حالاتِ زندگی بیان کیے ہیں، نیز ان کے کلام پر ناقدانہ تبصرہ کیا ہے۔ اس کے بعد سنائی، عمر خیام، انوری، اور نظامی گنجوی کے احوال و آثار سے بحث کی ہے۔

دوسری جلد کے آغاز میں پہلے دورِ متوسطین کی شاعری کی خصوصیات اور خصوصیات کے اسباب بیان کیے ہیں۔ پھر بالترتیب فریدالدین عطار، کمال اسماعیل، شیخ سعدی، امیر خسرو، سلمان ساوجی، حافظ شیرازی

www.taemeernews.com

اور ابن یمین کے حالاتِ زندگی قلم بند کرتے ہوئے، ان کی شاعرانہ خصوصیات و امتیازات سے بحث کی ہے۔

تیسری جلد کے شروع میں حسبِ سابق پہلے عہدِ متاخرین کی شاعرانہ خصوصیات کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اس کے بعد فغانی شیرازی، فیضی، عرفی، نظیری، طالب آملی، مرزا صائب اصفہانی اور ابو طالب کلیم کے احوال و آثار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مولانا شبلی کا خیال تھا کہ کلیم کے بعد فارسی شاعری، شاعری نہ رہی، بلکہ چیستاں گوئی بن گئی، اس لیے اس کے بعد کے شاعروں کو انھوں نے سلسلۂ شعرالعجم میں داخل نہیں کیا۔

مولانا کا ارادہ تھا کہ شعرا کے حالات اور اُن کے کلام پر ریویو کے بعد چوتھی جلد میں حقیقتِ شعر، فارسی شاعری اور اس کی اہم اصنافِ سخن پر تفصیلی تبصرہ تحریر کریں گے، لیکن جب شاعری کی حقیقت اور اس کی لفظی و معنوی خوبیوں کے مباحث ہی ستر اسّی صفحات تک پھیل گئے، تو انھیں مجبوراً پانچویں جلد کا بھی اضافہ کرنا پڑا۔ بہ صورتِ موجودہ چوتھی جلد کا پہلا باب حقیقتِ شعر سے متعلق ہے۔ دوسرے باب کے بعض اہم ذیلی عنوانات یہ ہیں:

ایران میں شاعری کیوں کر پیدا ہوئی؟ شاعری کی تدریجی رفتار،
عربی شاعری کا اثر فارسی شاعری پر، شخصی اور خود مختارانہ
حکومت کا اثر، نظامِ حکومت کا اثر شاعری پر،
فوجی زندگی کا اثر، اختلافِ معاشرت کا اثر، آب و ہوا
اور مناظرِ قدرت کا اثر۔

www.taemeernews.com

تیسرے باب کا موضوع ' فارسی شاعری پر اجمالی ریویو ہے'۔ اس باب کے ابتدائی چودہ صفحات میں عربی شاعری سے موازنہ کرتے ہوئے فارسی شاعری کے محاسن و معائب بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد شاہنامۂ فردوسی کو پیشِ نظر رکھ کر صنفِ مثنوی پر مفصل اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ اسی پر چوتھی جلد تمام ہو جاتی ہے۔

پانچویں جلد میں پہلے فارسی غزل اور قصیدے سے بحث کی گئی ہے۔ پھر فارسی کی عشقیہ ' صوفیانہ ' اخلاقی اور فلسفیانہ شاعری پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے۔

شعرالعجم کی اشاعت کے بعد مولانا حبیبُ الرحمٰن خاں شروانی' مولانا عبدالحلیم شررؔ اور مولانا عبدالسّلام ندوی وغیرہ نے جہاں اس پر توصیفی تبصرے لکھے' وہیں مولانا اسلم جے راج پوری نے اپنے تنقیدی تبصرے میں اس کی بہت سی خامیاں بھی گنائیں۔ اس کے علاوہ محمود شیرانی نے پانچ سو صفحات سے زیادہ ضخامت کی ایک محققانہ کتاب "تنقید شعرالعجم" کے نام سے تصنیف کی۔ اس کتاب کے آغاز میں انھوں نے اپنے اعتراضات کی تلخیص اس طور پر کر دی ہے :

> " شعرالعجم کے مطالعے کے بعد میری ذاتی رائے یہ قائم ہوئی کہ علامہ شبلی اس تصنیف کے دوران میں مورخانہ و محققانہ فرائض کی نگہداشت سے ایک بڑی حد تک غافل رہے ہیں۔ رطب و یابس جو کچھ ان کے مطالعے میں آجاتا ہے' بشرطے کہ دلچسپ ہو' حوالۂ قلم کر دیتے ہیں... ممکن ہے شبلی تاریخِ اسلام میں بہتر نظر رکھتے ہوں' لیکن شعرائے

www.taemeernews.com

عجم کے حالات میں اُن کی معلوماتِ تاریخی نہایت محدود ہیں
... بہت سے غیر تاریخی افسانوں نے شعرالعجم میں قابلِ
عزت جگہ پائی ہے۔ عام اغلاط جنھیں تذکرہ نگاروں نے
اپنی اپنی تصنیف میں دہراکر ہماری ادبیات میں عام طور پر
زبان زد کردیا ہے، شعرالعجم کے صفحات پر بھی موجود ہیں
... جو جو اطلاعات آسانی سے مولانا شبلی کے دست رس
میں آسکیں، انھیں پر قناعت کی، زیادہ تحقیق و تفتیش سے
کام نہیں لیا۔"

شیرانی صاحب کے متذکرہ بالا اعتراضات بڑی حد تک درست ہیں، لیکن اس سے شعرالعجم کی اہمیت اور قدر و قیمت میں کوئی خاص کمی واقع نہیں ہوتی، کیوں کہ بقول مولانا سید سلیمان ندوی:

"شعرالعجم، شعرا کے اسما و القاب، سنین و سال اور امراء و سلاطین کی تنقیدی تاریخ نہیں، بلکہ فارسی شاعری کا تنقیدی تبصرہ ہے۔ شعرالعجم میں ہر شاعر کا تذکرہ اور سوانح پہلی چیز نہیں، دوسری چیز ہے۔ اس کی پہلی چیز ہر شاعر کا شاعرانہ کمال اور سخن دری کا معنوی جوہر ہے۔ غرض وہ جسم و مادہ کی تاریخ نہیں، بلکہ روح و دماغ کی تاریخ ہے۔"

تنقید نگاری

حالی کی طرح شبلی بھی اردو زبان کے دورِ اوّل اور صفِ اوّل کے

www.taemeernews.com

ناقدین میں شمار کیے جاتے ہیں اور جس طرح حالی کے یہاں "مقدمہ شعر و شاعری" اور "یادگارِ غالب" کی شکل میں نظری تنقید اور عملی تنقید دونوں کی مثالیں ملتی ہیں، اسی طرح شبلی نے بھی "شعر العجم" اور "موازنۂ انیس و دبیر" کے ذریعے متذکرہ بالا دونوں قسم کی تنقید کے نمونے پیش کیے ہیں اور جس طرح حالی کی تنقیدیں، شعر اور اصنافِ شعر تک محدود ہیں، اسی طرح شبلی بھی شاعری کے نقاد ہیں۔

شبلی نے شعر کی حقیقت و ماہیت کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، اس کا ماحصل یہ ہے کہ انسانی جذبات یا مناظرِ فطرت کی موثر انداز میں تصویر کشی کو شاعری کہتے ہیں۔

محرکاتِ شعر گوئی کے بارے میں اُن کا نظریہ یہ ہے کہ جس طرح حیوانات اپنے فطری اظہار پر کسی اندرونی جذبے کی بنا پر آمادہ ہوتے ہیں، اسی طرح حقیقی شاعر بھی اندرونی تقاضے ہی کے نتیجے میں اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ وہ شاعری جس کا محرک کوئی اندرونی جذبہ نہ ہو، مصنوعی، پُرتکلف اور اثر سے خالی ہوتی ہے۔

شبلی کے نزدیک ہر بڑے یا قابلِ ذکر شاعر میں قوتِ محاکات اور قوتِ تخئیل کا پایا جانا اشد ضروری ہے۔ اس کی تشریح انھوں نے اس طرح کی ہے کہ شاعری اگرچہ محاکات اور تصویر کشی کا نام ہے، لیکن محاکات کی روح تخئیل ہے، کیوں کہ اگر محض کسی چیز کی تصویر کھینچ کر رکھ دی جائے، تو اس میں کوئی کشش محسوس نہ ہوگی۔ البتہ جب شاعر قوتِ تخئیل کی مدد سے اس میں ترمیم و اضافہ کرتا ہے، تو ایک خاص طرح کا حُسن پیدا ہو جاتا ہے۔

www.taemeernews.com

شبلی نے شاعری کے پُر تاثیر ہونے کے لیے اندازِ بیان کے مؤثر ہونے کی شرط بھی عائد کی ہے اور اس سلسلے میں تشبیہات و استعارات اور صنائع و بدائع کے استعمال کو مفید اور کارآمد بنایا ہے۔

شبلی کے نزدیک شاعری کا اصل منصب قومی، سماجی اور سیاسی نہیں ہے، بلکہ خالص ادبی ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ جب شعر میں کسی جذبے کا موثر اور دل آویز انداز میں اظہار کر دیا گیا، تو وہ قابلِ تعریف ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ سماج اور معاشرے کے لیے مفید ہے یا مضر؟

شبلی موضوع و مواد پر ہیئت اور اُسلوب کو ترجیح دیتے ہیں، لہٰذا افکار و نظریات کے بجائے اُن کے نزدیک اُسلوبِ بیان کی اہمیت زیادہ ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> "حقیقت یہ ہے کہ شاعری اور انشا پردازی کا مدار زیادہ تر الفاظ ہی پر ہے۔ "گلستاں" میں جو مضامین اور خیالات ہیں، ایسے اچھوتے اور نادر نہیں، لیکن الفاظ کی فصاحت اور ترتیب و تناسب نے اُن میں سحر پیدا کر دیا ہے۔ اُن ہی مضامین اور خیالات کو معمولی الفاظ میں ادا کیا جائے تو سارا اثر جاتا رہے گا۔"

اس اصول کے پیشِ نظر شبلی اپنی عملی تنقیدوں میں خیالات و افکار کی گہرائی اور گیرائی کی بنیاد پر شاعر کو پسند یا ناپسند کرنے کے بجائے، لطف ادا اور جدتِ اسلوب کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ لہٰذا اُن کے نزدیک پسندیدہ شاعر وہی ہے، جس کی ترکیبیں چُست، بندشیں دُرست اور زبان سلیس اور رواں دواں ہو۔ رہے وہ شعر جو دقت پسندی، پیچیدگی

www.taemeernews.com

اور مضمون آفرینی کے خوگر، دور دراز کی تشبیہات و استعارات کے دلدادہ اور تمثیل و حسنِ تعلیل وغیرہ کے عادی ہوں، تو وہ ان کی میزانِ قدر پر پورے نہیں اترتے۔

انشاپردازی

مولانا شبلی ہماری زبان کے معتبر و مستند اور صاحبِ طرز انشاپردازوں میں شمار کیے جاتے ہیں، بلکہ ادبی خدمات کے تعلق سے ان کی یہ حیثیت سب سے زیادہ اہم اور مقدم ہے۔ مولانا شبلی کے معاصر ادیبوں اور نثر نگاروں میں سرسید، محمد حسین آزاد، نذیر احمد اور حالی کے نام سرِفہرست ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی انشا پردازانہ حیثیت مسلّم و مستحکم ہے، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مولانا کا طرز ان سب سے الگ اور جداگانہ ہے۔ سرسید کے یہاں جابہ جا ثقیل اور نامانوس الفاظ آجاتے ہیں۔ محمد حسین آزاد تشبیہات و استعارات اور مناسباتِ لفظی کے بغیر قدم نہیں بڑھاتے۔ نذیر احمد محاوروں پر سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔ حالی کی نثر بسا اوقات خشک اور روکھی پھیکی معلوم ہونے لگتی ہے۔

ان سب کے برخلاف مولانا شبلی کی نثر میں ایک طرف توازن و اعتدال اور دوسری جانب ایک خاص طرح کا احساسِ جمال پایا جاتا ہے اس کا ایک خاص سبب تو یہ ہے کہ وہ لفظوں کے پارکھ ہیں۔ ہر لفظ کو مناسب موقع و محل میں استعمال کرتے ہیں۔ نہ صرف معنوی بلکہ صوتی مناسبتوں کا بھی لحاظ رکھتے ہیں۔ البتہ رعایتِ لفظی کے گورکھ دھندوں میں الجھنا

www.taemeernews.com

پسند نہیں کرتے ۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اُن کے اسلوب میں علمیت وادبیت کا ایسا حسین امتزاج ہے، جس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی ۔ مثال کے طور پر محمد حسین آزاد کو لیجیے؛ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آزاد کا درجہ بحیثیت انشاپرداز شبلی سے بڑھا ہوا ہے، لیکن سب جانتے ہیں کہ آزاد کے اسلوب میں 'المامون' و 'الفاروق' یا 'علم الکلام' و 'الکلام' نہیں لکھی جاسکتی ۔ اسی لیے 'آبِ حیات' 'نیرنگِ خیال' اور 'دربارِ اکبری' کے مصنف سے مولانا شبلی کے طرز کی کوئی تصنیف یادگار نہیں ۔ خلاصہ یہ کہ علمیت وادبیت جس طرح شبلی کی تحریروں میں پہلو بہ پہلو اور عناں درعناں نظر آتی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہی ہے ۔ اس نکتے کو پیش نظر رکھ کر 'الفاروق' کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

" قانونِ فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ فضائلِ انسانی کی مختلف انواع ہیں اور ہر فضیلت کا جُدا راستہ ہے ۔ ممکن بلکہ کثیرالوقوع ہے کہ ایک شخص ایک فضلیت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا، لیکن اور فضائل سے اس کو بہت کم حصہ ملا ۔ سکندر سب سے بڑا فاتح تھا، لیکن حکیم نہ تھا ۔ ارسطو حکیم تھا، لیکن کشورستاں نہ تھا ۔ بڑے بڑے کمالات ایک طرف، چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں مشکل سے جمع ہوتی ہیں ۔ بہت سے نامور گزرے ہیں جو بہادر تھے، لیکن پاکیزہ اخلاق نہ تھے ۔ بہت سے پاکیزہ اخلاق تھے، لیکن صاحبِ تدبیر نہ تھے ۔ بہت سے دونوں کے جامع تھے، لیکن علم وفضل سے بے بہرہ تھے ۔

www.taemeernews.com

اب حضرت عمرؓ کے حالات اور ان کی مختلف حیثیتوں پر
نظر ڈالو، صاف نظر آئے گا کہ وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی۔
مسیحؑ بھی تھے اور سلیمانؑ بھی۔ تیمور بھی تھے اور نوشیرواں بھی،
اور امام ابوحنیفہؒ بھی تھے اور ابراہیم ادہمؒ بھی۔"

مولانا شبلی کی تحریروں کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ اس میں کسی قسم کا جھول نہیں پایا جاتا۔ ہر جملہ اور ہر فقرہ سانچے میں ڈھلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ کچھ کہنے سے پہلے ذہن میں مناسب ترتیب قائم کر لیتے ہیں، تب خیال کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں۔ مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

"شبلی کو یکتائی فنِ تصنیف میں حاصل تھی۔ رزم ہو یا بزم،
دونوں کا سماں یکساں کھینچ دینے میں طاق۔ موزوں لفظ،
مناسب فقرے، مناسب ترکیبیں لانے میں مشاق۔ کوئی استدلال
کریں گے تو ایسا معقول کہ پہلے ہلّے میں تو آپ کا دماغ ان کے
ساتھ کھنچ ہی جائے گا۔ رنج کا نقشہ کھینچیں گے تو ایسا کہ آپ
پر بھی جذبۂ غم طاری ہوئے بغیر نہ رہے۔ مقام مسرت کی مصوری
کریں گے تو ایسی کہ آپ کے دل کا کنول آن کی آن میں کھِل
جائے۔ کسی شعر کی گرہ کھولیں گے تو ایسی کہ آپ کا وجدان
جھوم جھوم اٹھے۔ معرکۂ حرب و ضرب کی تصویر دکھائیں گے
تو ایسی کہ خود آپ کی رگِ شجاعت جوش میں آ جائے ...
پڑھنے والے گویا موم کی گڑیا ہیں کہ لکھنے والے نے جب
اور جدھر چاہا ان کی ناک موڑ دی اور انھیں پتہ بھی نہ چلنے
پایا۔"

www.taemeernews.com

مولانا شبلی کے مزاج کو محاکات اور مرقع کشی سے خاص مناسبت ہے، اس لیے جب وہ کسی واقعے، جذبے، حالت یا کیفیت کی تصویر کشی کے لیے قلم اٹھاتے ہیں تو ان کی نثر خاص طور پر حسین و دل آویز ہو جاتی ہے۔ دراصل ان کا خیال تھا کہ نثر ہو یا نظم، بلاغت کا معیار یہ ہے کہ جس کیفیت سے متکلم دوچار ہو، وہی مخاطب پر بھی طاری ہو جائے۔ اسی لیے محاکات کے موقع پر ان کی تحریریں زیادہ بلیغ اور موثر ہو جاتی ہیں۔ المامون، الفاروق اور سیرۃ النبی کے علاوہ ان کے خطوط میں بھی اس کی مثالیں بہ کثرت موجود ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

مامون کا آخری وقت ہے۔ وہ بے ہوشی کے عالم میں ہے۔ حاضرین میں کوئی کلمۂ توحید کی تلقین کر رہا ہے۔ اس پر ایک عیسائی حکیم ابن ماسویہ کہتا ہے۔ رہنے دو، اس وقت مامون کے لیے مانی اور خدا یکساں ہیں۔ اس وقت کی منظر کشی شبلی کے قلم سے ملاحظہ ہو:

> "مامون اس آواز سے دفعتاً چونک پڑا اور اس قدر غضبناک ہوا کہ اس کے تمام اعضا تھرّانے لگے۔ چہرہ اور آنکھیں بالکل سُرخ ہو گئیں۔ ہاتھ بڑھا کر چاہا کہ ابن ماسویہ کو پکڑ لے اور اس بدگمانی کی پوری سزا دے، مگر اعضا قابو میں نہ تھے۔ منھ سے کچھ کہنا چاہا۔ زبان نے یاری نہ دی۔ نہایت حسرت سے آسمان کی طرف دیکھا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اسی حالت میں خدا نے اس کی زبان کھول دی۔ وہ خدا کی طرف مخاطب ہوا اور کہا "اے وہ! جس کی سلطنت کبھی نہ زائل ہوگی، اس پر رحم کر جس کی سلطنت زائل ہو رہی ہے۔

www.taemeernews.com

اسی فقرے پر اس کے نفسِ واپسیں نے دنیا کو الوداع کہا اور
خدا کے سایۂ رحمت میں چلی گئی۔" (المامون)

ایک شاعر کی دنیا عام انسانوں سے کس طرح الگ ہوتی ہے۔ اس کی مشغولیات و مصروفیات، تمناؤں اور الجھنوں کی نوعیت کیا ہوتی ہے؟ اس کا جواب شبلی کے الفاظ میں سنیے:

"اس عالم میں شاعر کی تاریخِ زندگی عجب دلچسپیوں سے بھری ہوتی ہے۔ بلبل نے اسی عالم میں اس سے زمزمہ سنجی کی تعلیم پائی ہے۔ پروانے اس کے ساتھ کے کھیلے ہیں۔ شمع سے رات رات بھر وہ سوزِ دل کہتا رہا ہے۔ نسیمِ سحری کو اکثر اس نے قاصد بنا کر محبوب کے یہاں بھیجا ہے۔ بارہا اس نے غنچہ کی عین اس وقت پردہ دری کی، جب وہ معشوق کا تبسم چرا رہا تھا ... واقعاتِ عالم پر جب وہ عبرت کی نظر ڈالتا ہے، تو ایک ایک ذرہ ناصح بن کر اس کو اخلاق اور موعظت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس عالم میں وہ گورِ غریباں میں جا نکلتا ہے، تو بوسیدہ ہڈیاں علانیہ اس سے خطاب کرتی ہیں ... عالمِ شوق میں وہ پھول ہاتھ میں اٹھا لیتا ہے تو اس کو صاف معشوق کی خوشبو آتی ہے اور پھول سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

اے گل! بتو خرسندم تو بوے کسے داری"

(شعر العجم)

آنحضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی تمہید و تقریب

www.taemeernews.com

کے طور پر لکھتے ہیں :

"چمنستانِ دہر میں بارہا رُوح پَرور بہاریں آچکی ہیں ۔ چرخِ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں رخیرہ ہوکر رہ گئی ہیں، لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے، جس کے انتظار میں پیرِ کہن سالِ دہر نے کروڑوں برس صرف کردیے ۔ سیارگانِ فلک اس دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے ۔ چرخِ کہن، مدت ہائے دراز سے اسی صبحِ جاں نواز کے لیے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تَردستیاں، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیمؑ، جمالِ یوسف، معجز طرازیِ موسیٰؑ، جاں نوازیِ مسیحؑ، سب اسی لیے تھے کہ یہ متاعِ گراں اَرز شاہنشاہِ کونین کے دربار میں کام آئیں گے۔"

(سیرۃ النبیؐ)

شاعری

مولانا شبلی کو بچپن ہی سے شعر گوئی سے مناسبت تھی۔ طالب علمی کے زمانے میں انھیں ایک چادر کی ضرورت محسوس ہوئی تو والدِ بزرگوار کو یہ شعر لکھ بھیجا ؎

www.taemeernews.com

پدر جس کا یوں صاحبِ تاج ہو
پسر اس کا چادر کو محتاج ہو؟

ان کے ابتدائی دور کے ایک استاد بیان کرتے تھے کہ ایک رات ایک بجے کے قریب یک بیک اُن کی آنکھیں کھُل گئیں، تو دیکھا کہ شبلی ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے ہیں، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ایک قطعہ تاریخ لکھ رہے ہیں۔

وقت کے ساتھ ساتھ اُن کا یہ شوق برابر ترقی کرتا رہا، یہاں تک کہ ان کی شعر گوئی ایک مسلمہ حقیقت بن گئی اور ان کے معاصرین نے بھی اُن کی شاعرانہ حیثیت کا اعتراف و اقرار کیا۔ مثال کے طور پر ایک موقع پر ڈپٹی نذیر احمد نے کہا:

تم اپنی نثر کو لو، نظم کو چھوڑو نذیر احمد!
کہ اس کے واسطے موزوں ہیں حالیؔ اور نعمانیؔ

ایک محتاط اندازے کے مطابق شبلی نے کم و بیش پانچ ہزار شعر کہے ہیں اور تقریباً تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے، چنانچہ ان کے یہاں غزلیات، قصائد، مثنویات، مراثی، مسدّس، ترکیب بند، قطعات اور جدید منظومات سبھی کے نمونے موجود ہیں۔ انھیں یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ اردو کے علاوہ فارسی میں بھی انھوں نے قابلِ قدر شعری آثار یادگار چھوڑے ہیں۔

www.taemeernews.com

اردو کلام

مولانا شبلی کے اردو کلام میں شعری اقدار اور فنّی محاسن کے لحاظ سے ان کی مثنوی "صبحِ امید" درجۂ اوّل پر ہے۔ اس کا موضوع سرسیّد اور ان کی تحریکِ اصلاح ہے۔ مثنوی کی بحر وہی ہے جو 'گلزارِ نسیم' کی ہے۔ بقول عبدالماجد دریابادی "بہ قامت کہتر اور بہ قیمت بہتر کی ایک چمکیلی مثال ہے"۔ اور "ایسی بانکی، ایسی سجیلی اور ایسی البیلی ہے کہ 'گلزارِ نسیم' کی ہم ادا اور 'ترانۂ شوق' کی ہم نوا ہے"۔ ذیل میں اس کے جستہ جستہ اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ سرسیّد کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

صورت سے عیاں جلالِ شاہی — چہرے پہ فروغِ صبحِ گاہی
وہ ریشِ دراز کی سپیدی — چھٹکی ہوئی چاندنی سحر کی
پیری سے کمر میں اک ذرا خم — توقیر کی صورتِ مجسّم
وہ مُلک پہ جان دینے والا — وہ قوم کی ناؤ کھینے والا
اٹھتے ہوئے جوش سے بہ وقت — ہے مرثیہ خوانِ قوم و ملّت
لب پر ہے فغاں کہ اب بھی جاگو — اے خوابِ گراں کے سونے والو!
آخر کب تک یہ خوابِ غفلت؟ — اُلٹو تو ذرا نقابِ غفلت

مدرسۃ العلوم کی تجویز کو بروئے کار لانے کے لیے سرسیّد نے کس طرح قوم کے سامنے دریوزہ گری کی؟ اس کی موثر تصویر کشی ملاحظہ ہو:

www.taemeernews.com

وہ کشتۂ قوم، وہ فدائی — اُٹھا لیے کاسۂ گدائی
ایک ایک سے عرضِ حال کرتا — دَر دَر وہ پھرا سوال کرتا
ہر بزم و ہر انجمن میں پہنچا — ہر باغ میں، ہر چمن میں پہنچا
کاوش سے غرض تھی کچھ نہ کد سے — ملتا تھا ہر ایک نیک و بد سے
مردانِ خدا پرست سے بھی — رندانِ سیاہ مست سے بھی
ٹھہرا نہ جو گرمِ سیر ہو کر — کعبے بھی گیا، وہ دیر ہو کر
کس بزم میں یہ فغاں نہ پہنچی؟ — آہ اس کی، کہاں کہاں نہ پہنچی
نالے کیے داغِ دل دکھا کر — رویا کبھی حالِ غم سنا کر

اس تمام تگ و دَو کے نتیجے میں، اُن کے ساتھ جو سلوک رَوا رکھا گیا، اُس کا رِقّت آمیز بیان بھی ملاحظہ ہو:

کیا کیا نہ مصیبتیں اٹھائیں — ہر طرح کی ذلّتیں اٹھائیں
ناکام رَہا صدائیں دے کر — دُشنام سنی دعائیں دے کر
حنظل پائے شکر کے بدلے — سنگ اس کو ملے، گہر کے بدلے
لعل اس نے دیے، شرار پائے — گُل نذر کیے تو خار پائے
کیا تلخ ملے جواب اس کو — کیا کیا نہ دیے خطاب اس کو
برگشتہ کہا کسی نے، دیں سے — لعنت کا صلہ ملا، کہیں سے
خود قوم کو ہو گئی تھی یہ کد — زندیق کہا، کسی نے مُرتد

قصیدہ گوئی سے مولانا شبلی کے مزاج کو کوئی خاص مناسبت نہ تھی، لیکن سلطان عبدالحمید خاں کی مدح میں ان کے ایک ناتمام قصیدے کی تشبیب اس صنف کے تقاضوں سے ان کی واقفیت اور اردو زبان پر قدرت کی کامل شہادت فراہم کرتی ہے۔ اس بہاریہ تشبیب کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

www.taemeernews.com

پھر بہار آئی ہے، شاداب ہیں پھر دشت و چمن
بن گیا رشکِ گلستانِ ارم، پھر گلشن
شعلہ زن پھر چمنستاں میں ہوئی آتشِ گل
پھر صبا چلتی ہے گلشن میں، بچا کر دامن
آگ پانی میں لگا دی ہے کسی نے، شاید
حوض میں عکسِ گلِ لالہ ہے، یا جلوہ فگن
باغ میں بادِ بہاری کی جو آمد کی ہے دھوم
بہر تسلیم، ہر ایک شاخ کی خم ہے گردن
مسند آرائے تجمل جو ہوا، شاہدِ گل
مرغِ گلشن یہ صدا دیتے ہیں "اَلْمُلْکُ لِمَنْ"
مستیاں کرتی ہوئی پھرتی ہے، گلشن میں نسیم
جھومتے آتے ہیں بادل، طرفِ صحنِ چمن
کوندتی برق ہے، گھنگھور گھٹا چھائی ہے
بوندیاں پڑتی ہیں، چلتی ہیں ہوائیں سَن سَن
شاخیں انگڑائیاں لیتی ہیں، صبا ہے بدمست
وجد میں تال لگاتا ہے، ہر اک برگِ سمن
ہلکے ہلکے وہ نسیمِ سحری کے جھونکے
نوعروسانِ چمن کا وہ نرالا جوبن
نرگسِ مست کی وہ محوِ تماشا آنکھیں
وا کیا غنچۂ گل نے بھی تبسم سے دہن

www.taemeernews.com

بسکہ ہر ذرہ ہے احساں طلبِ بادِ بہار
گرد بھی ہاتھ میں تھامے ہے صبا کا دامن
چونکتے ہیں جو کبھی خواب سے اطفالِ بہار
تھپکیاں دیتی ہے سونے کے لیے بادِ چمن

مولانا شبلی کے اردو کلیات میں اخلاقی، تاریخی اور سیاسی موضوعات پر بہت سی نظمیں بھی موجود ہیں۔ ان میں وہ نظمیں جو طنزیہ انداز میں لکھی گئی ہیں، زیادہ وقیع اور قابلِ قدر ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ طنز نگاری میں چند امور کا خاص طور پر لحاظ رکھتے ہیں: ایک تو یہ کہ موضوع کی ناہمواریوں کا بیان دیر تک اور مزے لے لے کر کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ دشنام طرازی پر اتر آنے اور کف دردہاں ہو جانے کے بجائے جذبات کے ہیجان پر پوری طرح قابو رکھا جائے۔ تیسرے یہ کہ طنز براہِ راست نہ ہو، بالواسطہ ہو۔ ذیل میں اس سلسلے کی دو نظمیں ملاحظہ ہوں۔ پہلی نظم کا عنوان ہے "یونیورسٹی ڈپوٹیشن"۔ اس نظم کا پس منظر یہ ہے کہ علی گڑھ یونیورسٹی کے بعض معاملات کے تصفیے کے لیے ایک جلسے میں یہ تحریک کی گئی کہ وائسرائے کی خدمت میں بعض مخصوص ارکان کا ایک وفد بھیجا جائے۔ اس تحریک کی ایک صاحب نے سخت مخالفت کی، مگر جب ان کا نام بھی داخلِ وفد کر لیا گیا، تو وہ فوراً سرد پڑ گئے۔ اس پر مولانا نے یہ نظم لکھی:

تھی سفارت کی جو تجویز بہ ظاہر موزوں
اہلِ مجلس بھی بہ ظاہر نظر آتے تھے خموش

www.taemeernews.com

دفعتاً دائرۂ صدر سے اٹھا اک شخص
جس کی آزادیِ تقریر تھی غارت گرِ ہوش
اس نے اس زور سے، تجویز پہ کی، ردوقدح
چونک اٹھے وہ بھی، جو بیٹھے ہوئے تھے پنبہ بہ گوش
اہلِ مجلس نے جو بدلا ہوا دیکھا انداز
ڈر ہوا یہ کہ کہیں اور نہ بڑھ جائے خروش
صدرِ محفل نے بُلا کر اُسے آہستہ کہا
کہ "تو ہم شامل وفدستی و ایں مایہ مجوش"
بادۂ جامِ سفارت مئے مردافگن تھا
ایک ہی جرعہ میں وہ شیر جری تھا، خاموش
اب نہ وہ طرزِ سخن تھا، نہ وہ آزادیِ رائے
نہ وہ ہنگامہ طرازی تھی، نہ وہ جوش و خروش
جس کی تقریر سے گونج اٹھتا تھا اجلاس کا ہال
اب وہ اک پیکرِ تصویر تھا، بالکل خاموش
سخت حیرت تھی کہ اک ذرۂ خاکستر تھا
وہ شرارہ، جو ابھی برق سے تھا دوش بدوش
دیکھتے ہیں تو حرارت کا کہیں نام نہیں
ہوگیا شعلۂ سوزندہ بھڑک کر خاموش
اہلِ ثروت سے یہ کہہ دو کہ مبارک ہو تمھیں
للہ الحمد، ابھی ملک میں ہیں رائے فروش

RUDAULVI COLLECTION

www.taemeernews.com

دوسری نظم سیاسی ہے۔ اس میں مسلم لیگ پر تعریض کرتے ہوئے، سرسیّد کی کانگرس مخالف پالیسی کی ناکامی کا مذاق اڑایا گیا ہے:

ہر چند لیگ کا نفسِ واپسیں ہے اب
اس ہستیِ دوروزہ پہ جس کو غرور تھا
وہ دن گئے کہ بت کدے کو کہتے تھے حرم
وہ دن گئے کہ خاک کو دعوائے نور تھا
وہ دن گئے کہ شانِ غلامی کے ساتھ بھی
ہر بوالہوس خمارِ سیاست میں چور تھا
وہ دن گئے کہ "شارعِ اوّل" کا حرف حرف
ہم پایۂ کلامِ سخن گوئے طور تھا
وہ دن گئے کہ فتنۂ آخر زماں کے بعد
گویا کہ اب امامِ زماں کا ظہور تھا
اب معترف ہیں دیدہ درانِ قدیم بھی
اِس نقش سیمیا میں نظر کا قصور تھا
اس دستِ مرتعش میں نہ تھی قوتِ عمل
اک کاسۂ تہی یہ سر پر غرور تھا
یہ لمعۂ سراب، نہ تھا چشمۂ بقا
یہ تیرگی تھی، جس کو سمجھتے تھے نور تھا
آئینِ بندگی میں تملق کی شان تھی
اخلاص و صدق شائبۂ مکر و زور تھا

www.taemeernews.com

اُن کی دُکان کی وہ ہوا اب بگڑ چلی
جن کے گھروں میں، جنسِ دفا کا دفور تھا
اب یہ کھُلا کہ واقفِ سِر تھا، اسی قدر
جو جس قدر مقامِ تقرب سے دور تھا
ہر دَم برادرانِ وطن کی بُرائیاں
ظاہر ہوا کہ فتنۂ اربابِ زور تھا
سب مٹ گیا، سیاستِ سی سالہ کا طلسم
اِک ٹھیس سی لگی تھی کہ یہ شیشہ چور تھا

فارسی کلام

مولانا شبلی کی اردو شاعری کے مقابلے میں، ان کی فارسی شاعری کا درجہ کہیں زیادہ بلند ہے۔ اس کی کئی وجہیں ہیں؛ ایک تو یہ کہ انھوں نے فارسی میں زیادہ کہا، بلکہ شعر گوئی کی ابتدا ہی فارسی سے کی۔ دوسرے فارسی کے بلند پایہ شاعروں کے ہزاروں اشعار ان کے حافظے میں محفوظ تھے، اس لیے فارسی پر انھیں اہلِ زبان کی سی قدرت حاصل ہوگئی تھی۔ تیسرے اردو کے مقابلے میں، وہ فارسی میں زیادہ جی لگا کر کہتے تھے۔

خود مولانا کو بھی اس کا اندازہ تھا کہ اُن کا فارسی کلام، اردو کلام سے زیادہ وقیع ہے۔ اسی لیے انھوں نے اردو کے برخلاف اپنے فارسی کلام کے چھوٹے بڑے کئی مجموعے شائع کیے، جن میں فارسی غزلیات کے "دستۂ گل" اور "بوئے گل" نامی مجموعوں کو زیادہ شہرت حاصل

www.taemeernews.com

ہوئی۔ حالؔی نے 'دستۂ گل' کی اشاعت کے بعد انھیں یہ الفاظ لکھ کر بھیجے تھے:

"میرا ارادہ تھا کہ اپنا فارسی کلام نظم و نثر جو کچھ ہے، اس کو بھی چھپوا کر شائع کر دوں، مگر 'دستۂ گل' دیکھنے کے بعد، میری غزلیں، خود میری نظر سے گر گئیں۔"

اور حسرتؔ موہانی نے اپنے تبصرے میں ان غزلیات کی داد یہ کہہ کر دی تھی:

"خوبیِ مضامین اور پختگیِ محاورہ کے جیسے پسندیدہ نمونے دستۂ گل و بوئے گل کی غزلوں میں موجود ہیں، اس کی مثال متاخرین میں مرزا غالبؔ مرحوم کے سوا اور کسی شاعر کے کلام میں مشکل سے ملے گی۔ مرزا غالبؔ کے مانند علامہ شبلی کے کلام میں بھی ہندوستانیت کا مطلق اثر نہیں پایا جاتا۔"

ذیل میں فارسی کلام کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

ہر جا کہ روئے روشنِ تو جلوہ ساز بود
ہر ذرّہ را نظر بہ جمالِ تو باز بود

ہر جا حدیثِ فتنۂ ایام کردہ ایم
روئے سخن بہ آں نگہِ فتنہ ساز بود

جانا! زبان و لب نہ شود ترجمانِ شوق
مارا امیدہا زنگہہ ہائے راز بود

مستور و رند، ہیچ یکے سر بردل نہ برد
زاں حلقہ ہا کہ در خمِ زلفِ دراز بود

www.taemeernews.com

ما خود سرے بہ رندی و مستی نہ داشتیم
ایں ہا گناہِ دیدۂ معشوقہ باز بود
بنگر کہ چوں بہ دامِ حوادث اسیر شد
آن دل کہ سایہ پرورِ زلف دراز بود
غم گیں مباش گر سخن از مدّعا نہ رفت
شبلیؔ! ہنوز اوّلِ راز و نیاز بود

وقتِ سحر کہ عارضِ او بے نقاب بود
در بزمش اوّل آں کہ رسید آفتاب بود
بزمِ شراب و شاہد رنگین و بانگِ نے
ایں حرفے از فسانۂ عہدِ شباب بود
اندازہ دانِ حوصلۂ ہر کسے ست دوست
با دیگراں بہ لطف و بہ ما در عتاب بود
شب بود و صد ہزار تماشائے دل فریب
صبح از کرانہ سر زد و دیدم کہ خواب بود
نازِ غرورِ حسن نہ دادش اجازتے
ورنہ سوالِ بوسۂ ما را جواب بود
شبلیؔ خراب کردۂ چشمِ خرابِ اوست
تو در گماں کہ مستیِ او از شراب بود

www.taemeernews.com

نسیمِ صبح ! بیا ' راحتے بہ جاں برساں
پیامِ بندہ بہ آں خاکِ آستاں برساں
دفورِ شوق شکیبا نمی تواند شد
روا مدار دِرنگ، و ہمیں زماں برساں
بہ آستانۂ اُو سرنہِ و زِروئے ادب
درود گوئے و دعایم زماں زماں برساں
بگو کہ برطبقِ وعدہ ہائے پئے در پئے
بیا و مرتبۂ ما بہ آسماں برساں
سلام شوق و تمنا ' ز بندہ لغمانی
بہ ساکنانِ درِ اُو ' یگاں یگاں برساں

دل را بہ ایں فریب تسلی دہم کہ یار
با ما ازاں نہ ساخت کہ کار آشنا نہ بود

حرفِ انکار زِ خوباں ہمہ از دل نہ بود
گہہ گہہ ایں کار بہ آئینِ حیا نیز کنند

من فدائے بت شوخے کہ بہ ہنگامِ وصال
بہ من آموخت خود آئین ہم آغوشی را

---

www.taemeernews.com

ایفائے وعدہ سازکہ ماہم وفا کنیم
آں وعدہ ہاکہ بادلِ ناکام کردہ ایم

خطوط

خطوط کو بھی ادب کی ایک معتبر صنف کا درجہ حاصل ہے، بشرطے کہ ان میں ادبیت اور دلچسپی کے عناصر موجود ہوں۔ مولانا شبلی کے خطوط بھی اس معیار پر پورے اترتے ہیں۔ وہ ہماری زبان کے چند معتبر اور صاحبِ طرز مکتوب نگاروں میں شامل کیے جانے کے لائق ہیں۔ ان کے خطوط سے اُن کے سوانح حیات، مشغولیات و مصروفیات اور مختلف زمانوں کے رجحانات و کیفیات کے بارے میں گراں قدر معلومات فراہم ہوتی ہیں۔

مولانا کے خطوط کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں: (۱) مکاتیب شبلی (حصّہ اوّل) (۲) مکاتیب شبلی (حصّہ دوم) (۳) خطوط شبلی۔

اوّل الذکر دونوں مجموعوں کے مرتّب مولانا سیّد سلیمان ندوی ہیں اور تیسرا مجموعہ منشی محمّد امین زبیری کا ترتیب دادہ ہے۔

ان مجموعوں کی ورق گردانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ خطوط نگاری میں اُن کا کوئی متعین اسلوب نہ تھا، بلکہ مخاطب کے معیار و مذاق کے لحاظ سے اُن کا طرزِ بیان بدلتا رہتا تھا۔ کبھی مفصل خطوط لکھتے اور کبھی محض دو ایک جملوں پر اکتفا کر لیتے تھے۔ جس طرح عام زندگی میں وہ اپنے آپ کو لیے دیے رکھتے تھے، اسی طرح خطوط بھی محتاط ہو کر لکھتے تھے، البتہ جن دوستوں سے بے تکلف ہوتے، انھیں خطوط بھی بے تکلفانہ لکھتے۔ ذیل

www.taemeernews.com

میں بہ طورِ نمونہ چند خطوط نقل کیے جاتے ہیں۔

اپنے حقیقی چھوٹے بھائی محمد مہدی کی وفات پر اپنے ایک محب مولوی محمد سمیع کو لکھتے ہیں:

" لو بھائی، ہم میں کا ایک عنصر کم ہوگیا۔ عزیز مہدی نے جان دی اور کس حالت کے ساتھ کہ کلیجے کے ٹکڑے اڑ گئے۔ میں بدبخت پاس تھا اور اس لیے جتنے تیر پھینکے سب میرے ہی جگر پر لگے۔ ہائے اس کی جوانا مرگی، ہائے کیا معلوم تھا کہ وہ اس قدر جلد دنیا سے (چلا) جائے گا۔ ورنہ مجھ پر لعنت اگر میں اس سے ناراض رہتا۔ ہائے سب برائیوں پر وہ سب سے اچھا تھا۔ آج چوتھا دن ہے، لیکن خدا کی قسم اس وقت تک دل نہیں ٹھہرتا۔ اس کی ایک محبوب یادگار ہے، جس کو وہ بَبّن کہتا تھا یعنی شافیہ، اس سے بارہا لپٹ کر رویا ہوں، لیکن کچھ بھی تو تسلّی نہیں ہوتی۔ اس کو تسلّی دیتا ہوں لیکن خود بے قرار ہو جاتا ہوں۔ ایک اور اس کے نام سے وابستہ بدقسمت ہے، جو پہلے چھوٹی بھاوج تھی، لیکن اب پیاری بہن ہے۔ تم لوگ مزے سے باہر ہو۔ آفت زدوں کو سنبھالنا میرے سر چھوڑا ہے۔ ہائے مہدی، وائے مہدی۔"

مولانا سیّد عبدالحیٔ حسنی، معتمد مراسلات دفترِ ندوۃ العلماء کو لکھتے ہیں:

www.taemeernews.com

"مولانا!

باوجود تمام معائب کے جو مجھ میں موجود ہیں، یہ غالباً آپ جانتے ہوں گے، میں دنیا سازی نہیں جانتا اور جھوٹی خوشامد نہیں کرتا، اس لیے جو کچھ کہوں گا، سچ کہوں گا۔

مجھ کو معلوم ہوا کہ آپ کو اس بات سے میری انانیت کا خیال پیدا ہوا کہ میں نے آپ کو کوئی خاص خط نہیں لکھا، بلکہ عبدالسلام وغیرہ کو لکھتا رہا۔

مولانا! خدا شاہد ہے، اس کو کوئی تعلق آپ کی کمیِ شان سے نہیں۔ کوئی امر اہم نہ تھا کہ خاص آپ کو لکھتا۔ میں جو آپ کی وقعت کرتا ہوں، بخدا آپ اس سے واقف نہیں۔

آپ کے علوِّ نسب، مذہبی زندگی، ایثارِ نفس، محاسنِ اخلاق کا میرے اوپر جو اثر ہے، اس کے لحاظ سے میں اپنے آپ کو، آپ کا ایک خادم سمجھتا ہوں۔ میں اپنی نسبت گو کتنا ہی مغرور ہوں، لیکن یہ سمجھتا ہوں کہ ایک دنیادار شخص ہوں، گنہگار ہوں، بداخلاق ہوں۔ اس لیے مجھ کو مقدس اور برگزیدہ اصحاب سے کیا نسبت؟ افسوس ہے کہ آپ کو ایسا خیال ہوا۔ میں شکستہ پائی کی وجہ سے مجبور ہوں، ورنہ حاضر ہوتا اور آپ کو ایسے خیالات کا موقع نہ ملتا۔ امید ہے کہ آپ ایسے خیالات دل سے نکال ڈالیں گے۔"

مہدی افادی کو عطیہ فیضی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بمبئی کا مہمان آج کل حسنِ اتفاق سے یہیں ہے۔ یہ لفظ

www.taemeernews.com

یعنی اس کا پہلا جز، کبھی اس سے عمدہ تر موقع پر استعمال نہیں ہوا ہوگا، لیکن بدقسمتی دیکھیے کہ ندوہ کے بدمزہ کاموں نے دماغ کو اس قدر ابتر کردیا ہے کہ ایسے موقع سے بھی فائدہ نہیں اٹھاسکتا۔ نہ وقت نہ دماغ۔ حسرت کا بھی اس سے بڑھ کر منظر دنیا نے نہ دیکھا ہوگا۔ اِن صحبتوں میں اس کی قابلیت کے حیرت انگیز پہلو نظر سے گزر رہے ہیں۔ اردو، فارسی، انگریزی، فرنچ، زباں دانی، مصوری، نقشہ کشی، پالیٹکس، قوت تحریر۔ ع

انچہ عالم ہمہ می داشت تو تنہا داری

افسوس! غیرت اور محبت کی کشاکش تھی، ورنہ آپ بھی وہ دیکھتے، جو میں کہتا ہوں۔"

یہ خط بھی مہدی افادی ہی کے نام ہے:

"... سیرت میں نہایت تنقید اور جاں فشانی سے کام لے رہا ہوں۔ اس لیے ہفتوں میں دو تین صفحے کا سامان ہاتھ آتا ہے۔ سالِ اوّل ہجرت لکھ چکا ہوں، لیکن ابھی نقشِ اوّل ہے۔ نظر ثانی میں کچھ سے کچھ ہو جائے گا۔ بعض نہایت سخت مرحلے طے ہو گئے۔

"شعرالعجم، اب کہاں؟ ایک آنکھ میں پانی اُتر آیا۔ دوسری بھی ضعیف ہو گئی۔ سیرت پر خاتمہ ہو جائے تو یہ حسنِ خاتمہ ہے۔ قرآن میں ہے کہ یہودی ذلیل و خوار ہو گئے لیکن کیا ۵ر دسمبر ۱۲ء کے بعد بھی جس دن (عطیہ) ایک

www.taemeernews.com

یہودی کو ہاتھ آئی۔ مشہور کیا گیا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا،
اس لیے تو نہیں ہے کہ

ع میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

خیر ع

سبحہ را زنّار کردست وکند"

سفرنامہ

۱۸۹۲ء میں مولانا نے روم و شام و مصر کی سیاحت کی تھی۔ ۱۸۹۴ء میں انھوں نے اس کی روداد "سفرنامۂ روم و مصر و شام" کے نام سے شائع کی۔ اس سفرنامہ کا شمار اگرچہ ان کی تحقیقی تصانیف کے ذیل میں نہیں ہوتا، لیکن یہ اس لحاظ سے قابلِ مطالعہ ہے کہ اس سے، مختلف سیاسی و معاشرتی امور و مسائل کے بارے میں ان کے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ مثال کے طور پر ترکوں سے مولانا کی محبت و عقیدت، اسلامی ممالک کے اتحاد کی خواہش، عورتوں کی تعلیم اور معاشرت کے بارے میں اُن کے نظریات اور قدیم و جدید کی آویزش و آمیزش وغیرہ سے متعلق ان کے خیالات کی تفصیلات جاننی ہوں تو سفرنامے کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے۔

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

" جو خوبی اس سفرنامے کے ساتھ مخصوص ہے، وہ یہ ہے کہ

www.taemeernews.com

اسلامی دیار اس نگاہ سے دیکھے گئے ہیں، جو اُن کے شایانِ حال ہے۔ اس زمانے میں سفر کرنے والے اور حالاتِ سفر لکھنے والے بہت، مگر وہ قسطنطنیہ اور قاہرہ کو اسی دلچسپی اور نظر سے دیکھتے ہیں، جو اس زمانے کا اقتضا ہے، پس وہ اپنے مذاق کے مطابق ان شہروں کی سیر کرکے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ اس تاثیر سے محض بے خبر رہتے ہیں، جو اس دیار کا ہر ایک ذرہ ایک مسلمان دل پر کرتا ہے۔ ہمارے نام آور سیاح نے ایک مسلمان محقق کی نظر سے اِن ممالک کو دیکھا اور مسلمانوں کی دلچسپی کا بے حد سامان اپنے سفرنامے میں فراہم کر دیا ہے۔"

Dr. SHARIB RUDAULVI COLLECTION.

خطبات اور تقریریں

مولانا شبلی کو قدرت کی طرف سے تحریر کی طرح تقریر کا ملکہ وسلیقہ بھی ودیعت ہوا تھا۔ اپنے زمانے میں وہ ملک کے نامور اور بہترین خطیبوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان کی تقریروں کا انداز عالمانہ اور پیرایۂ بیان استدلالی ہوا کرتا تھا۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اور ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسوں میں انھیں تقریر کے مواقع اکثر پیش آتے رہتے تھے۔ ان کی تقریریں عموماً برجستہ ہوا کرتی تھیں، اس لیے اکثر محفوظ نہیں رہیں۔ جو محفوظ رہ گئیں "خطباتِ شبلی" اور "باقیاتِ شبلی" میں جمع کر دی گئی ہیں۔ یہاں نمونے کے طور پر ایک تقریر کا اقتباس دیتا

www.taemeernews.com

کیا جاتا ہے۔ طبّی کانفرنس، منعقدہ لکھنؤ کے ایک اجلاس میں قومی یک جہتی پر زور دیتے ہوئے انھوں نے کہا:

"حضرات! بہت دن نہیں ہوئے کہ ہم پر یہ زمانہ گزرا ہے کہ کہ ہم مطلقاً اس تفریق سے، اپنے لٹریچر میں، اپنے خیالات میں، اپنی معاشرت میں اور اپنی روزانہ زندگی کے کاروبار میں واقف نہ تھے۔ بچپن سے ہمارے بچّے کتاب "دستورالصبیان" پڑھتے تھے، جو لالہ نوندھ رائے کی تصنیف ہے، اور دہلی کی مشہور، مثنوی میرحسن، جب اس کا جواب لکھنؤ کے لوگ پیش کرتے تھے، تو، گلزارنسیم، کو پیش کرتے تھے۔ جو لوگ فارسی زبان کے ماہر اور کامل ہونا چاہتے تھے، وہ "بہارِعجم" جو ٹیک چند بہار کی تصنیف ہے اور مصطلحاتُ الشعرا، کی طرف رجوع کرتے تھے، جو ایک ہندو کی تصنیف ہے، اور کبھی لوگوں نے نہیں کہا کہ یہ ہندو مصنف ہیں یا دوسری قوم کے لوگ ہیں۔ اس قسم کا اتحاد لٹریچر میں تھا، معاشرت میں تھا اور تمام باتوں میں تھا۔ اگر کسی وجہ سے نفاق پیدا ہو بھی گیا ہو، تو دوسرے امور میں ہم متحد ہو کر کیوں نہ کام کریں؟ اس لیے مجھ کو جو چیز دیباچۂ فتح معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس کام میں دونوں گروہ شریک ہیں اور نہایت ہم دردی سے اس کام کو کر رہے ہیں حقیقت میں اگر سچ پوچھیے اور ہمارے احباب بُرا نہ مانیں تو میں کہوں گا کہ اس فیاضی کا کریڈٹ ہندو دوستوں کو دینا چاہیئے،

www.taemeernews.com

اس لیے کہ مجھے شبہ ہے کہ اگر وہ اس قسم کی کانفرنس قائم کرتے،
تو ہم ایسی فیاضی سے شریک ہوتے یا نہ ہوتے۔"

مقالات

مولانا شبلی نے مستقل تصانیف کے علاوہ گوناگوں موضوعات سے متعلق درجنوں بلند پایہ مقالات بھی یادگار چھوڑے ہیں۔ ان سے ان کے مطالعے کی وسعت اور علمی ذوق وشوق کے تنوع کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ مقالات ملک کے مختلف رسائل و جرائد مثلاً علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، معارف علی گڑھ، تہذیب الاخلاق علی گڑھ، دکن ریویو، حیدرآباد، الندوہ، لکھنؤ اور مسلم گزٹ، لکھنؤ وغیرہ میں وقتاً فوقتاً چھپتے رہتے تھے۔

خود مولانا کی زندگی میں اُن کے مقالات کے دو مجموعے شائع ہوئے تھے۔ ایک "رسائلِ شبلی" کے نام سے اور دوسرا "مقالاتِ شبلی" کے عنوان سے۔ اوّل الذکر مجموعے میں درج ذیل مقالے شامل تھے:

اسلامی حکومتیں اور شفا خانے، اسلامی کتب خانے، تراجم، الجزیہ، اسلامی مدارس، حقوق الذمیین، میکنکس اور مسلمان۔

دوسرا مجموعہ بھی متعدد علمی و تاریخی مقالات مثلاً ہندوستان میں اسلامی تمدن کا اثر، مسلمانوں کی علمی بے تعصبی اور المعتزلہ والاعتزال وغیرہ پر مشتمل تھا۔ ان دونوں مجموعوں کے علاوہ بھی اُن کے بہت سے مقالات و مضامین مختلف رسائل و اخبارات میں بکھرے ہوئے تھے۔ اس لیے

www.taemeernews.com

مولانا کے شاگردوں میں مولانا مسعود علی ندوی اور مولوی معین الدین قدوائی نے نئے پرانے تمام مقالات از سرِ نو ترتیب دے کر موضوعات کے لحاظ سے آٹھ جلدوں میں "مقالاتِ شبلی" کے نام سے جمع کر دیے ہیں۔ بہ صورتِ موجودہ ان کی ترتیب اس طرح ہے:

مقالاتِ شبلی حصّہ اوّل ، مذہبی مضامین
مقالاتِ شبلی حصّہ دوم ، ادبی مضامین
مقالاتِ شبلی حصّہ سوم ، تعلیمی مضامین
مقالاتِ شبلی حصّہ چہارم ، تنقیدی مضامین
مقالاتِ شبلی حصّہ پنجم ، سوانحی مضامین
مقالاتِ شبلی حصّہ ششم ، تاریخی مضامین
مقالاتِ شبلی حصّہ ہفتم ، فلسفیانہ مضامین
مقالاتِ شبلی حصّہ ہشتم ، قومی و اخباری مضامین

ان مقالات کی کمیت و کیفیت کے پیشِ نظر کہا جا سکتا ہے کہ اردو مقالہ نگاری کے ارتقا میں "مقالاتِ شبلی" کا حصّہ ناقابلِ فراموش ہے۔

انجمنِ ترقیِ اردو

علمی و ادبی حلقوں کے لیے 'انجمن ترقیِ اُردو' کا نام محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ اس کی گوناگوں علمی و ادبی خدمات سے اہلِ علم بخوبی واقف ہیں۔ اس کا قیام ۱۹۰۳ء میں 'مسلم ایجوکیشنل کانفرنس' کے اجلاس منعقدہ دہلی میں، کانفرنس کے ایک شعبے کے طور پر عمل میں آیا تھا۔ اس موقع پر پروفیسر آرنلڈ،

www.taemeernews.com

صدر، ڈپٹی نذیر احمد، مولوی ذکاراللہ اور مولانا حالی نائبین صدر اور مولانا شبلی انجمن کے سکریٹری منتخب ہوئے تھے۔ یہ زمانہ مولانا کے قیام حیدرآباد کا تھا۔ اس وقت سے لے کر وہ جب تک حیدرآباد میں مقیم رہے انجمن کی سکریٹری شپ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس دوران انھوں نے انجمن کے لیے ممبرسازی کی مہم چلائی۔ عربی، فارسی اور انگریزی سے اردو میں بہت سی کتابیں ترجمہ کرائیں اور انجمن کی طرف سے متعدد کتابیں شائع کیں وغیرہ۔ انجمن کے سکریٹری کی حیثیت سے مولانا کی دوسری سرگرمیوں کی تفصیلات جاننی ہوں تو "باقیاتِ شبلی" کا مطالعہ کرنا چاہیئے جس میں انجمن سے متعلق مولانا کی مرتب کردہ ماہ بہ ماہ رپورٹیں جمع کردی گئی ہیں۔

اختتام

مولانا کے گوناگوں کارناموں کے پیش نظر، جن کی تفصیلات گزشتہ صفحات میں پیش کی گئیں، یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ ایک غیرمعمولی انسان تھے۔ ان کی شخصیت میں عظمت و کمال کی بہت سی ایسی صفات جمع تھیں، جو الگ الگ بھی بہت کم لوگوں کو میسّر آتی ہیں۔ وہ صرف تاریخ نگار ہی نہیں، تاریخ ساز بھی تھے۔ مصنف ہی نہیں، مصنف گر بھی تھے۔ انھوں نے کسبِ مال اور طلبِ جاہ کو اپنا مطمحِ نظر بنانے کے بجائے، بے لوث علمی، قومی اور ملّی خدمات میں زندگی بسر کردی۔ وہ اعلا اخلاقی قدروں کے حامل اور قدیم مشرقی تمدن کا قابلِ قدر نمونہ تھے۔ ان کی علمی و ادبی تصانیف و مقالات، اردو زبان و ادب کا بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ وہ اپنے ممتاز معاصرین میں سب سے چھوٹے

www.taemeernews.com

تھے، عمر بھی کم پائی، لیکن کارناموں کے تنوع نیز عظمت کے لحاظ سے ان کا درجہ خاصا بلند ہے۔ ان کا نظریۂ قدیم و جدید بھی لائقِ توجہ ہے۔ یہ سطحی اور سرسری نہیں، گہرے تدبر اور غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ اس سلسلۂ بیان کو ہم مولانا سیّد سلیمان ندوی کے ایک اقتباس پر ختم کرتے ہیں، جس میں انھوں نے اپنے محبوب استاد کے فضائل و کمالات کا عطر کشید کر کے رکھ دیا ہے۔ لکھتے ہیں :

" تماشاگاہِ عالم میں کمال کا جو جوہر انھوں نے دکھایا، یقین ہے کہ دنیا، زمانے تک اس کی مثال پیش نہیں کر سکے گی ؎

شبلی زِ خیلِ زمزمہ سنجاں چشم گرفت
با ایں کہ ہیچ گونہ زِ خیل و چشم نہ داشت

مولانا کے حریف تلوار کا صرف ایک ہی وار جانتے تھے۔ یا فقیہ و محدّث یا متکلم و فلسفی تھے۔ یا فقط انشا پرداز، یا زباں آور خطیب، یا سخن فہم و سخن سنج۔ لیکن یہ 'یگانۂ روزگار مجموعۂ ہر علم و فن تھا۔ جس رستے پر قدم رکھا میدان میں سب سے آگے نظر آیا۔ علومِ دینی و مشرقی میں جو تبحّر ان کو نصیب تھا، اس سے یہ جدید ارکان خالی تھے اور قدیم علما جدید مسائل سے بے خبر تھے۔ تاریخ کا وہ اس بازار میں تنہا جوہری تھا۔ فلسفہ و کلام کا وہ امام تھا۔ شاعری کا وہ کہنہ مشق استاد تھا۔ انشا پردازی کے پامال کوچے میں بھی اس کی راہ الگ تھی۔ انشا پردازی و زباں آوری ان دونوں

www.taemeernews.com

کشوروں میں یکساں صرف اسی کا سکّہ رواں تھا۔ سخن سنجی اس کے طائرِ کمال کے شہپر تھے۔

اس میں دوسری جامعیت یہ تھی کہ وہ صرف دماغ نہ تھا، ہاتھ بھی تھا۔ قومی تحریکوں کے عواقب پر جہاں اس کی نظر پہنچی، حریف اس کے دیکھنے سے قاصر تھے۔ اس کا دماغ جن دینی کاموں کا تماشا دیکھتا تھا اور دکھانا چاہتا تھا، بہت سی آنکھیں اس کے دیکھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی تھیں۔ قومی، تعلیمی، اجتماعی، سیاسی، ادبی، مذہبی غرض عمل کا کوئی گوشہ نہ تھا، جس کی طرف اس کا ہاتھ نہ بڑھا۔"

www.taemeernews.com

مزید مطالعے کے لیے

حیاتِ شبلی ،	مولانا سیّد سلیمان ندوی
یادگارِ شبلی ،	شیخ محمد اکرام
شبلی ایک دبستاں ،	آفتاب احمد صدیقی
شبلی کا مرتبہ اردو ادب میں ،	عبداللطیف اعظمی
شبلی نقادوں کی نظر میں ،	مرتبہ ناز صدیقی

www.taemeernews.com

شبلی نعمانی اردو زبان و ادب کی ایک ناقابلِ فراموش شخصیت ہیں۔ ان کی تصانیف اور مقالات نے اردو نثر کی علمی حیثیت کو بلند اور مستحکم کیا ہے۔ شبلی کے کارنامے متنوع اور گوناگوں گوناگوں ہیں تاریخ، سوانح، سیرت اور علم کلام وغیرہ سے متعلق ان کی تحریریں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ ان کی نثر میں ایک خاص طرح کی شیرینی اور دل کشی پائی جاتی ہے۔ شاعر کی حیثیت سے بھی ان کا درجہ خاصا بلند ہے۔

شبلی سیاسی، سماجی، تہذیبی اور علمی و فکری ہر سطح پر قدیم و جدید کی آمیزش کے داعی اور نقیب تھے۔ وہ مدتوں علی گڑھ کالج سے وابستہ رہے۔ بعد میں تحریکِ ندوۃ العلماء میں شامل ہو کر ندوۃ العلماء کے لیے بہت سے مفید کارنامے انجام دیے۔ اعظم گڑھ کے مشہور تصنیفی ادارے "دارالمصنفین" کے قیام کا سہرا بھی انھیں کے سر ہے۔

ساہتیہ اکادمی نے اپنے تعارفی سلسلے "ہندوستانی ادب کے معمار" کے تحت شبلی نعمانی پر یہ مختصر کتابچہ تیار کرایا ہے۔ اس میں بے جا طوالت سے احتراز کرتے ہوئے شبلی کی ہشت پہل شخصیت اور ہمہ جہت کارناموں کو سلیقے اور ہنرمندی کے ساتھ سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اہل علم اسے قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔

کتاب کے مصنف ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی بنارس ہندو یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو میں استاد ہیں۔ انھوں نے امتیاز کے ساتھ بنارس ہندو یونیورسٹی سے اردو میں اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے عربی میں ایم۔ اے کیا۔ "شبلی نعمانی۔ حیات اور کارنامے" کے عنوان سے مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی قدیم و جدید اردو اور عربی ادبیات سے گہرا لگاؤ رکھتے ہیں۔ تنقید اور تحقیق سے انھیں یکساں رغبت ہے۔ اُن کے مضامین کا مجموعہ "تنقیدی معروضات" شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔

تصویر سرورق : سید نسیم زیدی

پانچ روپے

www.taemeern

www.raemeernews.com

www.taemeernews.com

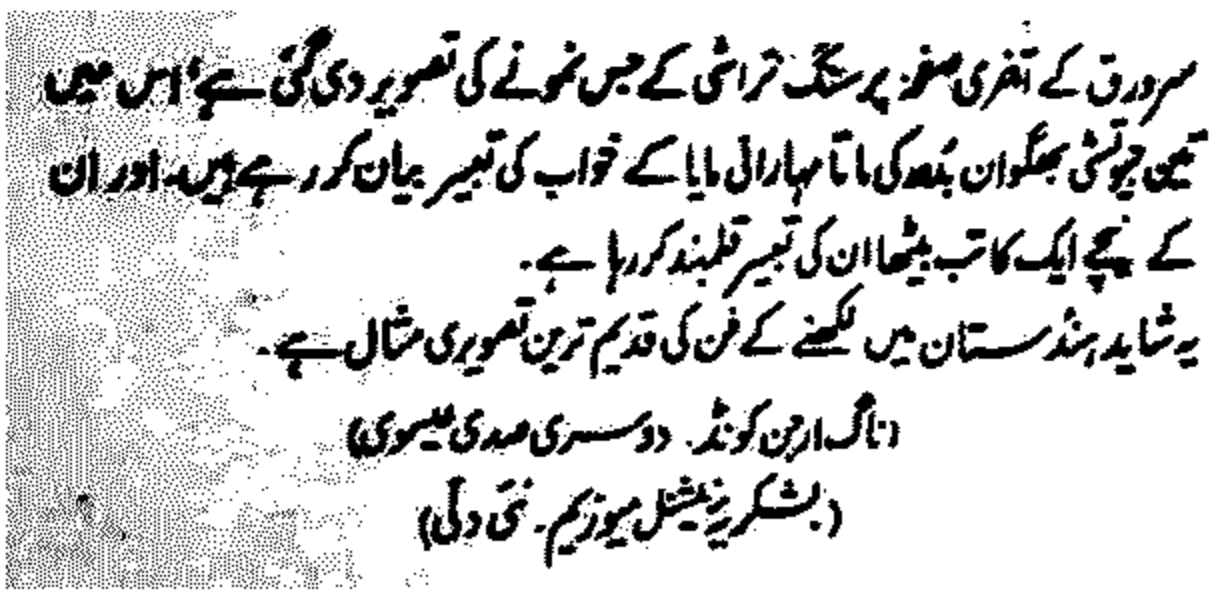

سرورق کے اندرونی صفحہ پر سنگ تراشی کے جس نمونے کی تصویر دی گئی ہے، اس میں تین جیوتشی بھگوان بدھ کی ماتا مہارانی مایا کے خواب کی تعبیر بیان کر رہے ہیں۔ اور ان کے نیچے ایک کاتب بیٹھا ان کی تعبیر قلمبند کر رہا ہے۔
یہ شاید ہندستان میں لکھنے کے فن کی قدیم ترین تصویری مثال ہے۔

(ناگ ارجن کونڈ۔ دوسری صدی عیسوی)
(بشکریہ نیشنل میوزیم۔ نئی دلی)